(۱۹)

پیر حسام الدین امیرا کدل کشمیر

دی کشمیر ناول ایجنسی

نام

مصنف

نمبر کتاب

قیمت

پڑھ پڑھ اشر

پیر حسام ال

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوگئی۔ پھولوں کی شگفتگی اور ہریاول اور آبشاروں کے نظاروں سے تمام محنت وصول ہوگئی۔ اکبر نے تین بار سیر کشمیر کی قحط کے ایام میں اُس نے قلعہ ہری پربت نواح سرینگر میں تعمیر کرنے کا حکم دیا جواب تک موجود ہے۔ جہاں سے دن رات میں تین بار مقررہ اوقات پر توپ سر ہوتی ہے۔ نسیم باغ بھی اسی بادشاہ نے لگوایا۔ اکبر کے عہد میں راج ترنگ جو ملک کشمیر کی چار ہزار سال کی تاریخ بہ زبان سنسکرت تھی اس کا ترجمہ فارسی میں کیا گیا۔

جہانگیر | جہانگیر کی توزک سیر کشمیر کے حالات سے بھری پڑی ہے۔ ایسا رنگیلا بادشاہ اور ایسا ملک اور پھر کیوں ہر سال سیر کیلئے نہ جاتا۔ جہانگیر نے چشمہ ویرناگ پر ایک پختہ تالاب اور عمارتیں سنگین بنوائیں جواب تک خستہ حالت میں موجود ہیں۔ کابل سے شاہ آلو منگوا کر پیوند لگوایا۔

جہانگیر کی سیر کشمیر کا حال بجائے خود ایک رہنمائے کشمیر ہے۔ اپنی توزک میں ایک جگہ لکھتا ہے:۔

*کشمیر ایک سدا بہار باغ ہے۔ ایک قلعہ آہنی ہے۔ شاہوں کے لئے ایک چمنستان عشرت ہے۔ درویشوں اور سالکوں کیلئے ایک خلوتگۂ دلکشا۔ چمن خوش۔ آبشار دلکش۔ آب ہائے رواں شرح و بیان سے زیادہ۔ چشمہ سار حساب و

* تاریخ کشمیر صفحہ ۱۹۳

شمار سے باہر ہے۔ بہار میں کوہ و دشت اقسام شگوفہ سے
سے مالا مال۔ درو دیوار و صحن و بام گھروں کی مشعل لالہ سے
بزم افروز ہیں"۔

جہانگیر میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ جس ملک اور راستے سے گذرنا
تھا۔ وہاں کے مشہور تاریخی واقعات۔ اور وہاں کے باشندوں کی رسم و
رواج و توہمات۔ معاشرت و آب وہوا کے متعلق خوب جانچ پڑتال
کے بعد اپنی تزک میں درج کرتا تھا۔ یہاں کے باشندوں کے متعلق
لکھتا ہے۔

"یہاں چنا پیدا نہیں ہوتا۔ اگر پنجاب سے لاکر بویا جائے تو اول
سال تو خوب پھلتا پھولتا ہے۔ مگر دوسرے سال چھوٹا اور کم اور تیسرے
سال مونگ کی دال کے برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح گھوڑے۔ گائیں
اور بھینسوں کا حال ہے کہ کوتاہ قامت اور کم قیمت ہوتی ہیں۔ یہاں
کے لوگ ہندو مسلمان مرد و عورت ایک لمبا چوغہ نما کرتہ پہنتے ہیں اور
عوام نہایت غلیظ ہیں۔ ایک دن کا پکا ہوا کھانا کئی کئی دن تک کھاتے
رہتے ہیں۔ کپڑے بدلتے۔ عطر و خوشبو سے معطر ہونے سے محض
نابلد۔ حیرت ہے کہ یہاں پانی کی اسقدر افراط ہے مگر پھر بھی لوگ
نہانے اور کپڑے دھونے سے محترز رہتے ہیں۔ ازار پہننا عیب
شمار کرتے ہیں۔ زبان کشمیری ہے۔ پنجاب کی سرحد پر جو علاقے ہیں
وہاں فارسی ہندی اور کشمیری تینوں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ارکان مذہب

سے یہاں کے لوگ بے بہرہ ہیں۔ ہندو عورتیں مسلمانوں کے گھر اور مسلمان عورتیں ہندوؤں کے ہاں موجود ہیں۔ جب ہم نے یہ سُنا تو فرمان جاری کیا کہ کوئی مسلمان عورت کسی ہندو سے شادی نہ کرے۔ اکثر جاہل مسلمان عورتیں ہندوؤں کی رسم ستی کے مطابق اپنے خاوندوں کے ساتھ زندہ دفن ہو جاتی ہیں۔ ہم نے اسکی بھی سختی سے روک کر دی ہے۔ پھر آگے لکھتا ہے۔ "شہر سرینگر سے بارہ میل کے فاصلے پہ موضع پامپور میں چند میل کا قطعہ ہے جہاں قدرت پروردگار سے زعفران پیدا ہوتی ہے۔ تمام کشمیر میں سوائے اس علاقے کے اور کہیں زعفران پیدا نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے۔ اس کے پودے کی جڑیں پیاز کی طرح ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ کا بیج چھ سال تک کارآمد ہوتا ہے۔ آمدِ جاڑے میں (ماہ نومبر میں) خود بخود پتے زمین سے برآمد ہو جاتے ہیں۔ اور تھوڑے دنوں میں پھول دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی نسیم دماغوں کو معطر کرتی ہے۔ زعفران کا منہ زمین سے پیوستہ ہوتا ہے اس کے پھول کی پانچ پتیاں بنفشہ کے رنگ کی ہوتی ہیں۔ گل زعفران کو تولکر کاریگر اپنے گھر لے جاتے ہیں اور اُن پتیوں میں جو صوف جیسے بال ہوتے ہیں وہ زعفران ہوتی ہے۔ اسے علیحدہ کر لیتے ہیں۔ اور بادشاہی ملازموں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔ اور اس محنت کی اُجرت میں وہ نمک خرید لیتے ہیں۔ کشمیر میں نمک نہیں ہوتا جبھی یہاں کے لوگ بے نمک ہیں۔"

جہانگیر کے عہد میں کونسی عمارات کشمیر میں تعمیر ہوئیں؟

(۱) چشمہ ویری ناگ کا حوض اور اسکی عمارت اور باغ (یہ اب بھی موجود ہیں مگر حالت خستہ)

(۲) سیر منزل پہ بادشاہ اور اہل حرم کے قیام کیلئے انتہائی کوہستان میں عالیشان عمارتیں بنوائی گئیں۔ (یہ اب بالکل مفقود ہیں)

(۳) اچھابل کا باغ۔ آصف خاں جہانگیر کے سسرے نے بنوایا۔

(۴) خانقاہ جڈی بل اور جامع مسجد بحکم بادشاہ و نورجہاں بیگم از سر نو تعمیر کی گئیں۔ (یہ موجود ہیں)

(۵) بحکم نورجہاں بیگم شالامار باغ کی عمارت طیّار ہوئی۔ جو اپنی خوبی میں بے نظیر ہے۔ ۱۶۱۹ء۔

ان کے علاوہ دیگر گورنروں نے اپنے عہد میں بیشمار باغات و عالیشان عمارتیں بنوائیں۔ داروغہ باغ۔ ملسابل جھیل پر نورجہاں کے حکم سے لگوایا گیا۔

شاہجہان بادشاہ خاندان چغتائی کا وہ نامور۔ مدبر اور صاحب جاہ و جلال بادشاہ تھا کہ تاریخ ہند اس کے کارناموں سے اور ہندوستان کے مشہور مقامات اسکی عالیشان اور دلکش عمارات اور باغات کی وجہ سے آجتک فخر و ناز کرتے ہیں۔ اس بادشاہ کو عمارات بنانے کا از حد شوق تھا۔ یہ بھی چار مرتبہ کشمیر کی سیر کیلئے گیا۔ یہاں کی خوبیاں اسکے دل پر نقش ہو گئیں اور اُس نے متعدد۔ باغات۔ عمارتیں سرائیں وغیرہ

بنائیں۔ اور اس کے زمانے کے گورنروں نے بھی حسب حیثیت باغات اور عمارتیں بنوائیں۔ خاصکر نواب ظفر خاں اور علی مرداں خاں نے تو کشمیر کو روضۂ رضوان بنا دیا۔

شاہجہان کے عہد کی عمارات :-

(۱) نشاط باغ (وزیر اعظم آصف خاں کی تعمیر ہے)
(۲) شاہی چشمہ اور اس کے باغات۔
(۳) پری محل۔
(۴) جامع مسجد کی از سر نو تعمیر۔
(۵) شہر میں دریائے جہلم پر مختلف کدل یعنی پل۔
(۶) چشمہ ویرناگ کے باغ کے آخر میں آبشار اور وہاں کی عمارات کی درستگی کرائی۔

شہر میں۔ ظفر خاں گورنر نے ظفر باغ۔ باغ حسن آباد۔ عنایت باغ۔ باغ گلشن لگوائے۔ اسلام خاں کی جاگیر میں ایک پرانا بت خانہ تھا۔ اسے گرا کر وہاں ایک شہر آباد کیا جس کا نام اسلام آباد رکھا۔ جو آجکل بھی علاقہ کشمیر میں دوسرے درجہ کا شہر ہے۔ علی مردان خان گورنر نے علی آباد میں اسی نام کا ایک نہایت وسیع باغ بنوایا اور ایسی نادر روزگار عمارتیں بنوائیں کہ چشم فلک نے بھی کبھی نہ دیکھی ہوں۔ اس کے علاوہ شہر سرینگر میں باغات لگوائے اور بحکم بادشاہ سرینگر سے راجوری تک منزل بمنزل سڑک بنوا کر سرائیں۔ باولیاں اور چشمے بنوائے جن

کے نشانات ابتک براہ بھمبر کشمیر جانے والوں کو ملتے ہیں۔ جن میں سے سرائے بھمبر۔ بہرام گلہ۔ سوختہ۔ پوشیانہ۔ شاجہ مرگ اور ہیرہ پور کی سرائیں ابتک نشان رفتگان ہیں۔ خصوصاً مقام لال غلام پہاڑ کے خطرناک دامن میں سنگ تراشوں سے راہ صاف کروا کر سڑک بنائی۔

محی الدین اورنگ زیب صرف ایکبار ہی سیر کشمیر کیلئے گیا۔ مگر اسنے اور زمانہ قیام میں اسکو اور اسکی رعایا اور ہمراہیوں کو بہت تکلیف پیش آئی چنانچہ اس نے دوبارہ قصد سیر کشمیر نہ کیا۔ اس کے عہد میں چودری مہیش شنکر نے ایک نہایت وسیع باغ تعمیر کرایا۔ جواب مفقود ہے۔ اور ایک اونچی سڑک بنائی جو ابتک قائم ہے۔ فاضل خاں گورنر نے سرائے ہفت چنار۔ باغ صد چنار لگوائے۔

تاریخ کشمیر اس بادشاہ کے عہد کے بعد ایک خونچکاں تحریر ہے اور آپس کے جھگڑوں۔ کشت وخون۔ مذہبی فسادوں۔ قحط۔ وبا۔ آتش زدگیوں۔ اور سیلابوں کے جانکش بیانوں سے مملو ہے۔ نہ کوئی امن وامان کا زمانہ نصیب ہوا۔ نہ کوئی جدید عمارت بنی بلکہ پرانی عمارتیں بھی مورچہ بندیوں اور شورشوں میں غارت اور تباہ ہوگئیں۔

شاہان چغتائی کا چراغ حکومت باد مخالف جھونکوں سے دہلی میں ٹمٹما رہا تھا۔ اور کشمیر کا نظام ابتر حالت میں تھا کہ احمد شاہ درانی نے امراء کشمیر کی ساز و باز سے پے در پے حملہ کر کے کشمیر پر ۱۷۵۲ء میں قبضہ کر کے برائے نام مغلیہ حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اور حکومت

افغانیہ کی بنیاد ڈالی۔

مگر افسوس افغانوں کے عہد میں اہالیان کشمیر پر بے انتہا مظالم ہوئے۔ اور شریف و نجیب سب کی جان لبوں پر آ گئی۔ اور شورش پسند کشمیریوں کی سزا بھی یہی تھی۔ کہ ایسا حاکم مقرر ہو ؎

چو خواہد کہ ویراں کند عالمے

نہد ملک در پنجۂ ظالمے

بیچ میں راجہ سکھ جیو مل نے بھی پٹھانوں سے سرکشی اختیار کر کے برائے نام شاہ دہلی کی حمایت میں آٹھ سال کے قریب کشمیر میں حکمرانی کی۔ مگر اس کے عہد میں بھی اسیطرح ظلم و ستم کا بازار گرم رہا۔ اور باغات و عمارات خستہ و تباہ ہوتی گئیں۔

* سنہ ۱۸۱۸ء تک حکومت افغانیہ کا کشمیر پر تسلط رہا۔ آخر سنہ ۱۸۱۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بذریعہ مصر دیوان چند سپہ سالار افواج سکھ کشمیر فتح کر کے پنجاب سے ملحق کر لیا۔ اور ملک اور اہالیان ملک کو بیش از پیش تہ و بالا کر دیا۔

اس طرح کشمیر سنہ ۱۳۲۵ء سے لیکر سنہ ۱۸۱۹ء تک کم و بیش پانچسو برس تک مسلمانوں کے زیر اقتدار رہا۔ اور پھر سکھوں کے قبضے میں آیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد انگریزوں سے سکھوں کی مڈبھیڑ ہوئی اور اور فوج خالصہ کو پے در پے شکستیں ہوئیں۔ اور پنجاب کا علاقہ برٹش

* تاریخ کشمیر مصنفہ فوق و تاریخ پنجاب مصنفہ قبلہ الیس محمد لطیف مرحوم پنجاب ہسٹورین

راج میں آیا ۱۸۴۶ء میں راجہ گلاب سنگھ ایک ڈوگرہ سردار نے بکمال دور اندیشی علاقہ کشمیر انگریزوں سے بعوض ایک کروڑ روپیہ خرید لیا۔ چنانچہ اب یہ خاندان بہ حمایت سرکار برطانیہ بطور ایک باجگذار ریاست اس علاقے میں حکمران ہے۔

چونکہ ۱۸۴۶ء سے ابتک کشمیر بیرونی حملہ آوروں کی دست بُرد اور اندرونی خانہ جنگیوں سے محفوظ رہا ہے۔ اس لئے یہاں امن وامان کے زمانے میں نہایت مفید اور کارآمد ملکی ومالی۔ ترقیاں ظہور پذیر ہوئیں۔ پُرانی عمارتیں مزید دستبُرد سے محفوظ کی گئیں نئی اور سائینٹفک طریقہ کی عمارتیں بنوائی گئیں سب سے زیادہ اہم اور عمدہ کام جو اس عہد میں ہوا ہے وہ یہ ہے کہ کشمیر میں آنے جانے کے لئے نہایت عمدہ سڑکیں مصارف کثیر سے تیار کی گئیں اور ان کی شکست وریخت اور مرمت کا انتظام نہایت معقول اور قابل تعریف پیرایہ میں کیا ہے۔ خاصکر مہاراجہ سرہری سنگھ بہادر کے عہد میں تو بہت سی جدید و منفعت بخش اصلاحیں ہوئیں اور آئندہ ہونے کی امید ہے۔



باب سوم

وادیٔ کشمیر اور سرینگر کی جغرافیائی کیفیت

آب و ہوا وادیٔ کشمیر کی آب و ہوا موسم سرما میں نہایت سرد۔ ماہ دسمبر کے آخر یا اوائل ماہ جنوری میں برف باری شروع ہوتی ہے۔ ماہ فروری تک تمام علاقہ زیر برف رہتا ہے۔ ندی، نالے۔ دریا چشمے یخ بستہ ہو جاتے ہیں۔ شروع مارچ سے برف پگھلنے لگتی ہے۔ موسم بہار شروع ہوتا ہے۔ جوں جوں برف پگھلتی ہے۔ تمام وادی سبزہ زار۔ اور پھولوں سے لد جاتی ہے۔ ہوا خوشبو سے مہک جاتی ہے۔ یہ موسم قابل دید ہے۔ وادی تمام و کمال سبزہ زار و گل پوش۔ پہاڑوں کی چوٹیاں اور بلند مقامات ہنوز برف پوش ہوتے ہیں۔ آخر ماہ مئی میں پیر پنجال اور دیگر بلند مقامات اور دروں کی برف پگھل جاتی ہے۔ جولائی اور اگست یہاں کے گرم ترین مہینے ہیں۔ پھر ستمبر سے نومبر تک فرح بخش موسم رہتا ہے۔ جو صاحبان کافی فرصت اور وقت سیر کیلئے نکال سکتے ہوں انہیں ماہ اپریل یا مئی سے جانا چاہیئے

اور ماہ نومبر میں زعفران کے شگوفے کی بہار دیکھکر واپس آنا چاہیئے اور جو مدت قلیل میں سیر کشمیر سے لطف اندوز ہونا چاہیں۔ انہیں یا شروع موسم بہار میں جبکہ تمام وادی و کوہسار سبزے اور پھولوں سے ملبوس اور نسیم عطر آمیز و عنبر بیز ہو۔ جانا چاہیئے۔ یا شروع موسم خزاں میں جبکہ میوہ جات پختہ ہو چکے ہوں۔ جون سے لیکر ستمبر تک وادئ کشمیر میں گلابی جاڑے کا موسم رہتا ہے۔ جیسے یہاں اپریل و نومبر میں ہوتا ہے۔ البتہ گلمرگ۔ سونامرگ۔ پہلگام بوجہ بلند تر ہونے کے زیادہ سرد مقامات ہیں۔ مگر وہاں بھی ان ایّام میں اتنی سردی نہیں ہوتی کہ جسے ناقابل برداشت کہا جا سکے۔ معمولی کپڑوں میں گذارہ ہو سکتا ہے۔

ذیل کے نقشے سے سرینگر اور مضافات سرینگر کی گرمی سردی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر کسی سال بہت زیادہ برف باری ہو جائے جیسے ۱۹۲۸ء کے آخر و ۱۹۲۹ء کے شروع میں کثرت برفباری سے ٹمپریچر بہت کم ہو گیا تھا تو اور بات ہے۔ ورنہ بالعموم حسب ذیل ٹمپریچر کم و بیش رہتا ہے۔

نقشہ

مہینے	عام طور پر	حد درجہ سایہ میں
اوائل جنوری سے آخر فروری تک	۳۵ درجہ فارن ہائیٹ	۱۵ سے ۵۳ درجہ فارن ہائیٹ
مارچ سے اپریل تک	۴۵ //	۲۰ سے ۶۱ //

مہینے	عام طور پر	حد درجہ سایہ میں
مئی سے جون تک	۶۵ درجہ فارن ہائیٹ	۴۵ سے ۸۵ درجہ فارن ہائیٹ
جولائی سے اگست تک	۸۰ ″	۳۵ سے ۹۰ ″
ستمبر سے اکتوبر تک	۶۰ ″	۴۵ سے ۷۵ ″
نومبر	۵۰ ″	۳۵ سے ۶۰ ″
دسمبر	۴۵ ″	۲۵ سے ۵۰ ″

مندرجہ بالا نقشے سے جو مستند سرکاری چارٹ سے لیا گیا ہے۔ معلوم ہوگا کہ کشمیر کے سرد ترین مہینے جنوری اور فروری ہیں۔ اور گرم ترین مہینے جون سے اگست تک۔ کشمیر میں بارش کافی ہوتی ہے مگر شاذ ہی ۲۷ انچ سے زیادہ ہوتی ہے۔ سیاحوں کو بارش کے لئے ضروری سامان ہر وقت مہیّا رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ آناً فاناً شروع ہو جاتی ہے۔ اور اکثر کئی روز تک مسلسل ہوتی رہتی ہے۔ تپ دق و سِل کے مریضوں کے لئے بہت سرد مقامات مضر ثابت ہوتے ہیں۔ انہیں یوٹ عموماً اور جون سے اگست تک پہلگام یا سونامرگ رہنا چاہیئے۔

۲۸۶

کشمیر گائیڈ

یا

رہنمائے سیر کشمیر

باب چہارم

چند ضروری ہدایات برائے سیّاحان کشمیر

؎ کشمیر اعتقادِ ما درست است ❊ ویرانی ایمان براہش سخت شکست است

سفر کس راہ سے اختیار کیا جائے | آجکل سب سے بہتر راستہ براہ سواری یہ ہے کہ بذریعہ ریل راولپنڈی تک جایا جائے۔ ازاں بعد وہاں سے بذریعہ موٹر یا لاری براہ مری۔ بارہ مولا۔ سرینگر کشمیر پہنچا جائے

کشمیر گائڈ

راولپنڈی سے اُدھر سرینگر تک نہایت عمدہ پکّی سڑک ہے۔ راستے کی سینری نہایت نظر افروز اور دل خوش کُن ہے۔ راولپنڈی سے سرینگر کا راستہ (۱۹۶) میل اٹھارہ گھنٹے کا ہے۔ رات کو اس سڑک پر سفر کرنیکی سرکاری طور پر ممانعت ہے۔ بدوں تحریری اجازت دربار کشمیر رات کو سفر نہیں کرنا چاہیئے۔ اس ممانعت کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ رات کو مال واسباب کی بیل گاڑیاں اور گڈّے سڑک پر چلتے ہیں۔ دِن کو انہیں چلنے کا حکم نہیں ہوتا۔ اس لئے رات کو سڑک اُن بیل گاڑیوں سے رُکی رہتی ہے۔ اور راستہ ملنا دشوار ہوتا ہے۔ شب باشی کیلئے راستے میں اعلےٰ درجے کے ڈاک بنگلے موجود ہیں۔ یا مقامی مکانات کے بالا خانے کرایہ پر مِل سکتے ہیں۔ رات کو مقام چناری۔ اوڑی یا رامپور کرنا چاہیئے۔ یہ راستہ اپریل سے شروع نومبر تک عموماً کھُلا رہتا ہے! اور پھر اکثر یخ بستہ ہوجاتا ہے۔

(۲) دُوسرا راستہ جموں سے کشمیر کا ہے۔ جموں تک ریل جاتی ہے۔ وہاں سے پختہ سڑک سے کشمیر (۲۰۵ میل)۔ اس راستے میں رات کو ایک نہ ایک جگہ قیام کرنا پڑتا ہے۔ اس راستے کی سینری راولپنڈی سے زیادہ دلچسپ و دیدہ فریب ہے۔ مگر بوجہ پہاڑوں کے پتھر پھسلنے کے یہ راستہ راولپنڈی کے راستے سے زیادہ مخدوش ہے۔ یہ راستہ ماہ مئی سے اکتوبر تک کھُلا رہتا ہے اور پھر عموماً برف باری سے بند ہو جاتا ہے۔

(۳) تیسرا راستہ براہ حویلیاں۔ ایبٹ آباد کشمیر ہے۔ فاصلہ ۱۸۰ میل ہے۔ یہ راستہ عموماً تمام موسم میں کھُلا رہتا ہے۔ سردی میں بھی بند نہیں ہوتا۔ کیونکہ اونچائی زیادہ نہیں۔ اور اتنا خولصورت اور نظر فریب نہیں جتنے جموں، پیر پنجال اور راولپنڈی مری کے راستے۔ سڑک یہ بھی پکّی ہے۔ حویلیاں تک ریل اس کے بعد حویلیاں۔ سے ایبٹ آباد اور دُھر سرینگر تک براہ موٹر یالاری۔ یہ بھی ۱۶ گھنٹے کا راستہ ہے۔

یہ تین موٹر و ٹانگہ کے راستے ہیں۔ ان راستوں کے علاوہ دیگر راستے بھی ہیں۔ جو پیدل یا ٹٹو پر سفر کرنیوالے سیاحوں کے لئے مفید ہیں۔

(۱) براستہ گجرات۔ بھمبر۔ راجوری۔ علی آباد۔ شوپیاں۔ سرینگر۔
(۲) براہ گجرات۔ بھمبر۔ راجوری۔ پونچھ۔ علی آباد۔ بارہ مولا۔ سرینگر۔
(۳) براستہ پٹھانکوٹ۔ چمبہ۔ کشتوار۔ مغل میدان۔ اسلام آباد۔ سرینگر۔
(۴) براہ جہلم۔ کٹھیالہ۔ گل پور۔ کوٹلی۔ سرینگر۔

یہ مذکورہ بالا چار راستے پیدل یا ٹٹو پر سفر کرنیوالوں کیلئے ہیں۔ مگر نہایت تکلیف دہ اور کسی قدر خطرناک ہیں۔ مگر بڑے پُر منظر اور دل خوش کُن ہیں۔

کب جانا چاہئے؟ اگر ہریاول اور پھُولوں کی بہار دیکھنی منظور ہو تو سب سے عمدہ موسم مارچ اپریل کا ہے۔ اس موسم میں وادیٔ کشمیر

کی تمام زمین سبزہ زار اور گل پوش ہوتی ہے۔ اور نسیم عطر بیز۔ اگر پھلوں کے موسم میں جانا ہو۔ تو شروع جون سے اکتوبر یا نومبر تک۔ ان دنوں میں گلاس۔ خام بادام سیدب۔ انگور۔ ناسپاتی۔ بگو گوشہ۔ آلو بخارا۔ اخروٹ وغیرہ پختہ ہوتے ہیں۔ اور جو لذت تازہ پھل کی ہے وہ یہاں پنجاب یا دیگر اضلاع میں رہکر اور وہاں کے فرستادہ پھل کھانے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ بہترین موسم اگر فرصت ہو تو اپریل سے نومبر تک کا ہے۔ کشمیر کی بہار۔ برسات۔ اور خزاں کے نظارے دیکھے۔ زعفران کے پھولوں کی شگفتگی دیکھکر مراجعت کرے۔ کشت زعفران یکم کاتک سے ۲۰ کاتک یا نومبر کے آخری ہفتے کے اندر اندر ختم ہو جاتی ہے۔ اور جنہیں وقت تھوڑا ہو وہ کسی وقت بھی جائیں۔ کشمیر ہر موسم میں ایک عجیب دلکش موسمی نظارے پیش کریگا۔ جو تمام عمر فراموش نہیں ہو سکتے۔

کیا سامان لیجانا چاہئیے۔ عموماً آخر مئی سے ۱۵ ستمبر تک گرمی ہوتی ہے۔ معمولی ٹھنڈے کپڑے موسم گرما کے کافی ہونگے۔ البتہ رات کے لئے لحاف۔ توشک۔ کمبل کی ضرورت ہے۔ علی الصبح اور رات کی سیر کرنیوالوں کیلئے گرم سرج کے سوٹ اور سویٹر کی ضرورت ہے کشمیر میں ایک عجیب خاصیت تجربے میں آئی ہے چاہے سردی کتنی ہو زکام نہیں ہوتا۔ اور اگر ہوتا بھی ہے تو بہت کم تکلیف دہ۔ لحاف۔ توشک

کمبل ۔ گرم چادر ۔ فلالین کی قمیص ۔ یا باریک گرم سرج کا سوٹ کافی ہے ۔ اگر کسی بنگلے یا ہوٹل یا مکان میں ٹھہرنا ہو تو خورد و نوش کیلئے اپنے برتن اور سامان لیجانا چاہیئے ۔ یا وہاں جاکر کرایہ پر لے لیا جائے عام مل سکتا ہے ۔ اور اگر ہوس بوٹ (مکان نما کشتی) میں ٹھہرنا ہو تو یہ سب سامان کشتی والے مہیا کرتے ہیں ۔ بندوق اور رائیفل بغیر اجازت دربار کشمیر نہیں لے جا سکتے ۔ اس کے لئے پہلے سے خط و کتابت کرکے پروانہ حاصل کرنا چاہیئے ۔ اگر برف پوش علاقے میں بسر کرنا منظور ہو تو علاوہ گرم کپڑوں کے ڈبل فوجی وضع کا بوٹ جن کے تلے میں میخیں لگی ہوں بہت کارآمد ہوتا ہے ۔ دیگر ضروری سامان جو اپنے لئے اور خاصکر بال بچوں کی معیت میں ضرور ہمراہ لینا چاہیئے ۔ امرت دھارا کی بڑی شیشی ۔ فروٹ سالٹ کی بوتل ۔ زمبق ۔ کونین کی برانڈی ۔ پیپرمنٹ ۔ ٹنکچر آئڈین کی شیشی ۔ یہ فوری ضرورت کی دوائیاں ہیں ۔ سفر حضر میں بہت کام آتی ہیں ۔

اہالیان کشمیر طبعاً گندے ہیں ۔ اس لئے پھل کھانیسے پہلے پھلوں کو دھو لینا چاہیئے ۔ ورنہ ہیضہ اور پیچش کا احتمال ہے ۔ مچھر اور پسو بہت ہوتے ہیں ۔ ان کی روک کیلئے مچھر جال اور کیٹنگز پوڈر Keatings Powder مچھر پسو مارنے کی دوائی بھی ہمراہ رکھنی چاہیئے ۔ تاکہ رات آرام سے گذرے ورنہ یاد رکھنا رات پیر مسلتے اور جاگتے گذریگی ۔ اگر پہلگام ۔ سونامرگ وغیرہ ٹھہرنا ہو

تو خیمے سرینگر سے کرایہ پر مل سکتے ہیں۔ مگر دوہری چھت یعنی (double roof) ہونے چاہئیں۔ اور میخ و کھلے مضبوط لینے چاہئیں۔

خوراک | مدراس اور بنگال کے لوگ تو وہاں چاول کھا سکتے ہیں مگر پنجاب اور یوپی کے باشندے جو گیہوں کا آٹا کھانے کے عادی ہوتے ہیں اُن کو عموماً پیچش ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کشمیر کا آٹا گرم ہوتا ہے پنجاب کی گیہوں کا آٹا خریدنا چاہئے۔ گھی کشمیر کا چاہے کتنا بھی اچھا ہو تلخ اور بودار ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری کہ باہر علاقے سے تازہ مکھن لیکر گھی بنایا جائے اور وہ استعمال کیا جائے۔ اور سب مأکولات وہاں دستیاب ہو سکتی ہیں۔ سبزی ترکاری جتنی عمدہ اور سستی کشمیر میں ہوتی ہے کہیں نہیں ہوتی۔ البتہ مرغی۔ انڈا اور مچھلی مضافات سے مہیا کرنیکا بندوبست کرنا چاہئے۔ وہاں سستی اور تازی چیز مل سکتی ہے۔ دودھ کی دوکانیں پنجاب یوپی کی طرح سوائے سرینگر کے اور کہیں بازاروں میں نہیں۔ اس کا انتظام کسی ڈائری سے کرنا چاہئے۔ تاکہ عمدہ اور صاف دودھ مل سکے مکھن اور پنیر بھی ڈائری سے منگانا چاہئے۔ شہر کے کشمیری دوکاندار بیچتے تو ہیں مگر وہ صاف نہیں ہوتا۔

کشمیر میں کہاں ٹھہرا جائے | سرینگر میں ٹھہرنے کی بہت جگہیں ہیں۔ ہوٹل۔ سرائے۔ مندر۔ جنکا پتہ یہ ہے۔ اہل ہنود کیلئے مفت رہائش کے صحت بخش مقامات جہاں ایک ہفتہ ٹھہر سکتے ہیں۔ مگر منتظم سے تصدیق کرکے زیادہ عرصہ کیلئے ٹھہر سکتے ہیں تو آفیسر اکرل

کے قریب) پرتاب بھون۔ سکھ گوردوارہ۔ بدری آشرم مقابل حضوری باغ۔ امیرا کدل میں (دریا کے پار) دو اور دھرمسالہ ہیں۔ کرایہ پہ سندھ پنجاب ہوٹل۔ امیرا کدل میں خالصہ ہوٹل۔ کشمیر ہندو ہوٹل ہاؤس بوٹ میں۔ راولپنڈی خالصہ ہوٹل موٹروں کے اڈے کے پاس۔ متمول مسلمان اور ہندو ہر ایک مذہب و ملت کیلئے نیڈوز ہوٹل ہے۔

مسلمانوں کیلئے مفت جگہ کوئی نہیں۔ کرایہ پر مسلم ہوٹل۔ اور اسی علاقے میں یعنی امیرا کدل کے قریب ہوٹل ہیں جہاں رہائیش ہوسکتی ہے۔ دیگر نانبائیوں کے ذریعے بالاخانے کرایہ پر مل سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ بنگلے۔ کوٹھیاں۔ اور ہاؤس بوٹ بھی سیاحوں کیلئے ہیں کرایہ عموماً تمام "Season" کا لیا جاتا ہے۔ چاہے ایکماہ رہو یا چھ ماہ۔ مگر کچھ کم و بیش ہوسکتا ہے۔ بنگلے اور ہاؤس بوٹ۔ دوسو روپیہ سے لیکر چھ سو روپیہ فی Season (موسم) کرایہ پر ملتے ہیں۔ ان کے لئے House agents سے پہلے سے خط و کتابت کر لینا چاہئے۔ مگر عین گرمیوں میں جبکہ بارش کا اتنا ڈر نہیں ہوتا۔ لوگ عموماً خیموں میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ خیمے بھی سرینگر میں کرایہ پہ ملتے ہیں۔ جن کا کرایہ آٹھ دس روپیہ سے لیکر ۲۵ روپیہ ماہوار تک حسب گنجائیش خیمہ ہوتا ہے۔

مگر ٹھہرنے کے لئے یہ عام ہدایت یاد رکھنی چاہیئے کہ رہائش شہر کی

آبادی کے بالکل اندر نہو۔ تاکہ شہر کی گندگی اور بیوست سے سیر منغص نہ ہو۔ کھانا یا تو خود پکانا چاہئے یا اپنے ہمراہ نوکر لیجانا چاہئے۔ کشمیری ملازم طبعاً گندے اور عموماً حفظانِ صحت کے اصولوں سے محض نابلد ہوتے ہیں۔

مقامی سیر کیلئے سواری | سرینگر میں عموماً ہر ویدنی مقام پر چھوٹی کشتی جیسے شکارا کہتے ہیں جا سکتا ہے۔ اس کا کرایہ اجنبیوں سے وہ اوّل زیادہ مانگتے ہیں۔ مگر ان کو آٹھ آنے سے لیکر ایک روپیہ گھنٹہ بقدر فاصلہ اس سے زیادہ ہرگز نہیں دینا چاہئے۔ اور اگر تھوڑی دُور جانا ہو تو صرف دو چار آنے۔

ٹانگہ کا نرخ پہلا گھنٹہ ۱۲ ؍ بعدہ اناں آٹھ آنے فی گھنٹہ ہے۔ مگر اس سے کم پر بھی مان جاتے ہیں۔ اہل پنجاب اور دیگر سیاحوں کو چاہئے کہ کشمیریوں کی باتوں پر نہ جائیں۔ یہ لوگ عموماً خرید و فروخت میں بہت جھوٹ بولتے ہیں۔ عموماً دیکھا گیا ہے۔ کہ جس چیز کے وہ دس روپے مانگتے ہیں آخر کم کرتے کرتے دو یا ڈیڑھ روپیہ میں بیچ ڈالتے ہیں۔

نوکروں کی تنخواہیں | بنگلے یا کوٹھی میں اگر رہنا مقصود ہو تو عموماً نوکروں کی تنخواہیں حسب ذیل ہوتی ہیں۔ جو حسب موقع کم و بیش ہو سکتی ہیں۔

باورچی یا خانساماں۔ بیس سے پچیس روپیہ ماہوار

خدمتگار ۔ دَس سے پندرہ روپیہ ماہوار ۔
بہشتی ۔ آٹھ سے بارہ روپیہ ماہوار ۔
بھنگی ۔ ۸ سے بارہ روپیہ ماہوار ۔
ہاؤس بوٹ کے ملازم ۔ دس سے بارہ ۱۲ روپیہ ماہوار فی کس ۔
شکارا والا ۔ ۸ / روز ۔

مگر یہ ضروری بات ہے کہ ملازم رکھنے سے پہلے ان سے تنخواہ وغیرہ کا فیصلہ کر لیا جائے ۔ تاکہ روانگی کے وقت بدمزگی پیدا نہ ہو ۔

دیگر ضروری ہدایات اگر دوران سفر کشمیر میں ریاستی علاقے کی حدود کے اندر ۔ موٹر ۔ لاری ۔ ٹانگے ۔ خیمہ والوں وکشتی ۔ ہوس بوٹ والوں کے متعلق کسی قسم کی جائز شکایت ہو تو اس کے متعلق رپورٹ صاحب سپرنٹنڈنٹ وزیٹرز بیورو سری نگر کشمیر Superintendent "Visitors Bureau" سے کرنی چاہیئے ۔ ان کا دفتر گرمیوں میں سرینگر اور سردیوں میں جموں ہوتا ہے ۔ اس رپورٹ میں موٹر ۔ لاری ۔ ٹانگے کشتی کا نمبر ۔ ڈرائیور کا نام و نمبر اور ایک یا دو ہمسفر مسافروں کی شہادتیں بھی مندرج ہونی چاہئیں ۔ ایسی رپورٹ پر حکام فوری توجہ کر کے انسداد تکلیف کرتے اور شرارت کرنیوالوں کو سزا دیتے ہیں ۔

ہر ایک عقلمند مسافر کا فرض ہے کہ ان لوگوں کی صریحاً غفلت یا

آپکی پرانی اور مشہور دوکان ڈبلی بازار والی

انارکلی میں آگئی ہے

ہر ایک چیز ڈبلی بازار کے نرخ پر — کوئی چیز پسند نہ آوے تو ۸ یوم میں واپس

موزہ۔ بنیان۔ رومال۔ ریشمی۔ کرسٹی ٹوپی۔ تیل

صابن۔ سٹیشنری۔ کاغذ۔ لفافے۔ ہینڈ بیگ۔ چھتری

بجلی کے لیمپ۔ کھلونے۔ سوئی و دیگر سب سامان

کی سستی و پرانی اور مشہور دوکان

قیمت مقررہ اور بارعایت

جگت سنگھ کواترہ اینڈ سنز انارکلی لاہور

بدسلوکی کی شکایت حکام سے کرے۔ تاکہ یہ لوگ آئندہ محتاط رہیں۔ جس سے دیگر مسافروں کو آئندہ تکلیف نہ ہو۔

موٹر اور لاری والے لوگ غیر ذمہ وار آدمی ہوتے ہیں۔ مسافروں کی آرام و آسائش کا بالکل خیال نہیں رکھتے۔ اپنے ناجائز طمع اور لالچ کی وجہ سے سواریوں کو تکلیف دیتے ہیں۔ اگرچہ لاری میں بارہ [۱۲] نشستوں کی بمشکل جگہ ہوتی ہے اور اس سے زیادہ آدمی بٹھانا سخت جرم ہے۔ مگر ڈرائیور اپنی مٹھی گرم کرنے کیلئے ۱۶-۱۷ آدمی بٹھا لیتے ہیں۔ جس سے سب کو نہایت تکلیف ہوتی ہے۔ مسافروں کو ہرگز اپنی جان پر تکلیف اٹھا کر جبر نہیں کر لینا چاہیئے۔ اور موٹر والوں کی اس غیر ہمدردانہ اور خلاف قانون کارروائی سے چشم پوشی اختیار نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ فوراً رپورٹ کر دینا چاہیئے۔ تاکہ ان کو آئندہ کو کان ہو جائیں۔ اور دیگر سیاحوں کو آرام نصیب ہو۔ یہ کسی کا برا کرنا نہیں ہے۔ بلکہ سب کا بھلا اور خاص پبلک سروس ہے۔ بعض دفعہ زیادہ بوجھ کی وجہ سے کسی خطرناک پہاڑی موڑ پر لاری الٹ بھی جاتی ہے۔ اس لئے اس بات کی روک تھام لازمی اور ضروری ہے۔



باب پنجم

راولپنڈی۔ مری۔ سرینگر

یہ راستہ مقابلتاً دیگر راستوں کے زیادہ بہتر ہے۔ راولپنڈی سے شروع ہو کر سرینگر تک پختہ سڑک جاتی ہے۔ یہ سڑک ۱۸۸۰ء میں سرینگر سے تعمیر ہونی شروع ہوئی اور ۱۸۹۰ء میں بارہ مولا تک مکمل ہو کر کھولی گئی۔ ہز ہائینس مہاراجہ صاحب بہادر کی سواری پہلے پہل اس سڑک پر سرینگر سے بارہ مولا تک گئی۔ ازاں بعد کوہالہ تک یہ سڑک مکمل کی گئی۔ بہت سی اتلاف جان اور صرف کثیر کے بعد یہ سڑک طیار کی گئی ہے اور بلا مبالغہ دنیا کی سب سے بہترین سڑکوں میں سے ایک ہے۔ انجینرنگ کے کمال اور مدبران ریاست کے استقلال کا ایک نادر نمونہ ہے۔ بعض جگہ تو خالص سنگ خارا کی چٹانیں تراش کر سڑک نکالی گئی ہے۔ بہت سے مقامات پر سرنگیں بنائی گئی ہیں۔ اس سڑک کے ایک طرف سر بفلک پہاڑ اور دوسری سمت ایک عمیق گہرائی پر دریا جس کے بعد پھر سر سبز پہاڑ ہیں۔ اس

اس پر بذریعہ تیز رفتار موٹر سفر کرتا ایک نہایت دلِ خوش کن اور نہ بھولنے والی سیر ہے۔

اس سڑک پر بہت سے مقامات پر ندی نالوں پر ہزاروں پُل بنائے گئے ہیں۔ جو کئی بار سیلاب میں بہہ چکے ہیں۔ سنہ ۱۸۹۳ء اور سنہ ۱۹۲۸ء کے سیلاب ہائے عظیم میں یہ تمام پُل یکسر بہہ گئے تھے۔ اور پہاڑوں پر سے چٹانیں اور مٹی کے عظیم ڈھیر سڑک پر گرتے رہے جس کی وجہ سے کئی روز تک یہ سڑک بند رہی۔ مگر اتلاف جان نہیں ہوا۔ ریاست کے کارکُن ہمیشہ اور ہر وقت اس سڑک کی مرمت اور صفائی پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ ریاست کا یہ انتظام واقعی نہایت قابل تعریف ہے۔ پہاڑوں کے پہاڑ سڑک پر آن پڑتے ہیں۔ مگر فوراً صاف کروا کر راستہ قابل عبور کر دیا جاتا ہے۔ اِس سڑک کی تعمیر سے کشمیر آنے جانے میں نہایت سہولیت پیدا ہو گئی ہے۔ اور تجارت پر نہایت مفید اثر پڑا ہے۔ لاکھوں من میوہ اس راہ سے دساور کو بھیجا جاتا ہے۔ اس سڑک سے نہ صرف کشمیر بلکہ یارقند کے بازار تک بارونق ہو گئے ہیں۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں بارہ مولا سے سرینگر اور سرینگر سے اسلام آباد تک ٹرمبوے بنائے جانیکی منظوری دربار سے صادر ہو چکی ہے۔ جس سے اور بھی سہولیت سیاحوں کیلئے پیدا ہو جائیگی۔

آمدم بر سرِ مطلب

راولپنڈی نارتھ ویسٹرن ریلوے کا مشہور سٹیشن ہے یہاں

صبح کی گاڑی سے پہنچنا چاہیئے۔ اسٹیشن کے باہر مری کشمیر جانے کیلئے مختلف کمپنیوں کی موٹریں۔ لاریاں کھڑی ہوتی ہیں اور ہمیشہ تیار ملتی ہیں۔ کرایہ کا فیصلہ اسی وقت ہوسکتا ہے۔ عموماً دو چار کمپنی والوں سے کرایہ کا مقابلہ کر کے فیصلہ کرنا چاہیئے۔ اگر سواری زیادہ اور موسم کا منجھ ہو تو کرایہ ذرا زیادہ۔ ورنہ معمولی ہوتے ہیں اور اتنی سُرعت سے گھٹتے اور بڑھتے ہیں کہ ان کا صحیح اندازہ یہاں لکھنا لوگوں کو مغالطے میں ڈالنا ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ موٹر سالم جس میں چار سواری سے زیادہ بیٹھانیکا حکم نہیں۔ چالیس روپیہ میں راولپنڈی سے سرینگر تک کیلئے ملجاتی ہے اور زور کے دنوں میں سو سوا سو تک بھی ملنا مشکل ہوتی ہے۔ مگر عام حالت میں ۶۰ اور اسی کے درمیان درمیان سالم موٹر کا کرایہ رہتا ہے۔ لاری جس میں بارہ مسافر معہ اسباب بیٹھنے کا حکم ہے۔ فی سواری ۶ روپیہ سے لیکر ۱۲ اور ۱۵ روپیہ تک ہو جاتی ہے۔ مگر عام حالت میں ۶ سے ۱۰ روپیہ کے درمیان تک کرایہ رہتا ہے۔ اس کرایہ میں سڑک کا محصول شامل ہے۔

نوٹ :۔ اجنبی آدمی کو دیکھکر موٹر۔ لاری والے زیادہ پاؤں پھیلاتے ہیں۔ اور یہاں تک بے اصولی برتتے ہیں کہ ایک مسافر سے ۶ روپیہ اور دوسرے مسافر سے اسی مقام تک کا کرایہ دس روپیہ چارج کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتے۔ جو کسی سے نکل آئے لے لیتے ہیں۔ سمجھ سوچ اور پوچھ گچھ کر فیصلہ کیا جائے تو بہتر ہے۔

اپنی ناواقفیت کو چھپائے رکھنا چاہیئے۔ موٹر اور لاری میں سفر کرنیوالوں سے راولپنڈی سے لیکر کشمیر تک تین جگہ سڑک کا ٹیکس لیا جاتا ہے۔ جو لاری والوں کو کلہم دو روپیہ فی کس دینا پڑتا ہے۔ اور موٹر والوں کو بھی دو روپیہ فی کس دینا پڑتا ہے۔ تصفیہ کرایہ کرتے وقت موٹر ڈرائیور اور کمپنی والوں کے کان کھول دینے چاہئیں۔ کہ یہ محصول موٹر کمپنی کے ذمے ہے۔ ہم اس کرایہ کے علاوہ اور کوئی محصول وغیرہ نہ دینگے۔ کرایہ یہ لوگ پیشگی لے لیتے ہیں۔ کرایہ ادا کر کے رسید باقاعدہ لے لینی چاہیئے اور اس میں لکھوالینا چاہیئے کہ اس کرایہ میں محصول راہ شامل ہے۔

ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے کہ لاری میں ہمیشہ فرنٹ سیٹ جسکا کرایہ بھی ایک دو روپیہ پچھلی نشست سے زیادہ ہوتا ہے حاصل کرنی چاہیئے۔ تاکہ راستے کے گرد و غبار اور لاری کے جانکش ہچکولوں سے محفوظ رہیں۔

بعض دفعہ جب مسافروں کا زور ہوتا ہے تو موٹر اور لاری والے اسباب کا کرایہ بھی مانگ لیتے ہیں۔ بیس سیر فی کس وضع کر کے زائد اسباب کا دو روپیہ سے لیکر پانچ روپیہ فی من کے حساب سے کرایہ چارج کرتے ہیں۔ مگر عام طور پر کرایہ نہیں لیتے۔ اگر آدمی ہوشیار ہو تو موٹر والوں کی ایسی زد سے بھی بچ سکتا ہے۔ کوئی نہ کوئی موٹر والا بلا کرایہ اسباب لیجانیکے لئے ضرور تیار ہو جاتا ہے۔ ان کمپنیوں

کا کوئی خاص قاعدہ یا اصُول نہیں ۔ جیسا دیکھا ویسا برت لیتے ہیں ۔ ہوشیار آدمی ان سے بچ سکتا ہے ۔

تصفیہ کرایہ کے بعد حاجت ضروری اور ناشتہ سے فارغ ہو کر جلدی سوار ہو چلنا چاہیئے ۔ تاکہ ٹھنڈے ٹھنڈے سفر طے ہو ۔ موٹر کی چونکہ چار سواریاں ہوتی ہیں ۔ اس لئے وہ سواریاں جلدی بہم پہونچا لیتی ہے ۔ مگر لاری میں عموماً انتظار سواری میں دیر ہو جاتی ہے ۔ آرام زیادہ موٹر میں ملتا ہے ۔ اور لاری میں اکثر ڈرائیور کی شرارت سے تکلیف ہوتی ہے ۔ موٹر کی رفتار بھی لاری سے زیادہ ہوتی ہے چلتی بھی زیادہ سبک ہے اگر پانچ سات روپیہ زائد کوئی بات نہ سمجھی جاوے تو موٹر ہی میں سفر بہتر ہے ۔ ڈرائیور ماہر ہو تو علے الصباح پنڈی سے چلکر شام کو سرینگر پہنچ سکتے ہیں ۔

چلنے سے پہلے اپنا اسباب خوب اچھی طرح بندھوا لینا چاہیئے ۔ ایسا نہ ہو راستے کے ہچکولوں سے کھلکر گر پڑے اور نقصان ہو ۔ موٹر ڈرائیور کو بھی تعداد نگ گنوا دینی چاہیئے ۔ راستے میں کھانے پینے کے لئے حسب خواہش راولپنڈی ہی سے سامان کر لینا چاہیئے تاکہ راستے میں تکلیف نہ ہو ۔

شہر سے باہر نکلکر چونگی خانہ سے موٹر والا پروانہ راہداری اور تعداد سواری اور ان کے سامان کی فہرست خود حاصل کرتا ہے ۔ اس کے بعد سفر شروع ہوتا ہے ۔ سڑک پختہ اور صاف ملتی ہے ۔ گھنٹہ با

نصف گھنٹہ میں سترہ میل ایک مقام آتا ہے جہاں اوّل اوّل محصول دینا پڑتا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے کرایہ کے ساتھ ہی کمپنی سے محصول کا فیصلہ کرلیا ہوتا ہے۔ ان کا محصول موٹر ڈرائیور دیتا ہے۔ ورنہ خود سواری کو دینا پڑتا ہے۔ جو کہ ۶ ر فی کس ہوتا ہے۔ اور فی موٹر سائیکل ۱۲ر ٹرکا نہ دینا پڑتا ۴ر۔

اس کے بعد آگے روانگی شروع ہوتی ہے۔ سامنے سیاہ سبز فلک بوس پہاڑ نظر آتے ہیں۔ اور چڑھائی شروع ہو جاتی ہے۔ موٹر کی رفتار ۲۰ میل فی گھنٹہ محدود ہے۔ اور لاری کی ۱۲ میل فی گھنٹہ۔ اس سے زیادہ تیز نہیں چلانی چاہیئے۔ اوّل تو یہ کہ خطرہ ہے دوسرے یہ کہ سرکاری آدمی ہر ایک موٹر اور لاری کی رفتار کی نہایت سختی سے نگہبانی کرتے ہیں۔ اور جو اس رفتار سے تیز چلاوے اس پر جرمانہ کیا جاتا ہے۔ اس پیش بندی اور انتظام کا یہ فائدہ ہے کہ موٹر کے حادثات اب ایسی خطرناک جگہ پر شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔

راولپنڈی میں پنجاب جیسی گرمی ہوتی ہے۔ مگر جوں جوں آگے بڑھو سردی یکلخت بڑھتی جاتی ہے۔ کیونکہ سطح زمین کی بلندی سمندر سے اونچی ہوتی جاتی ہے۔

سترہ میل سے دو میل کے فاصلے پر مقام چھتر پر ایک باغ ہے۔ آگے چلکر سیلگرام پل سے چڑھائی شروع ہوتی ہے۔

ٹریٹ - (۲۵ ۳/۴ میل راولپنڈی سے) اس

مقام کی بلندی سطح سمندر سے چار ہزار فیٹ ہے۔ بہار کے موسم میں اس سڑک اور پاس کی پہاڑیوں کی سینری نہایت دلچسپ ہوتی ہے یہاں بازار ہے۔ اس کے قریب ڈاک بنگلہ ہے۔ یہاں ایک نہایت سرد پانی کا چشمہ ہے۔ سڑک شملہ کی طرح چکر کھاتی ہوئی جاتی ہے۔ نظّارہ نہایت پُرلطف اور ناقابل فراموش ہے۔

سنی بنک (مری) فاصلہ راولپنڈی سے ۳۷ میل۔ بلندی ۶۰۵۰ فیٹ۔ اچھی خاصی سردی ہوتی ہے۔ گرم کپڑا پہننے کو جی چاہتا ہے یہاں ایک راستہ مری خاص کو جو دو میل کے فاصلے پر ہے چڑھ جاتا ہے۔ اور دُوسرا راستہ کشمیر کو اُتر جاتا ہے۔ راستے میں چیل کے جنگلات کا نہایت صحت بخش نظّارہ ملتا ہے۔

اگر سالم موٹر یا لاری کرایہ پر کی ہو تو ٹھہر کر مری کی بھی سیر کر لینی چاہئے۔ سطح سمندر سے سات ہزار فیٹ کی بلندی پر واقعہ ہونے کی وجہ سے گرمیوں میں یہاں کی آب و ہوا نہایت خوشگوار اور صحت بخش ہوتی ہے۔ متعدد نفیس ہوٹل ہیں جہاں عمدہ کھانا مِل سکتا ہے پوسٹ آفس جو ایک نہایت بلند پہاڑی پر واقعہ ہے۔ وہاں سے ارد گرد کا نظّارہ نہایت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ سبز پوش۔ جنگلات سے ڈھکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اور سامنے برف پوش پہاڑ آسمان کو چھیدتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

کوہالہ۔ سنی بنک سے ۲۹ ½ میل کا فاصلہ ہے۔ بلندی ۱۸۰۰

فیٹ۔ مری سے آگے نکلکر لگاتار اترائی شروع ہو جاتی ہے۔ بلا پٹرول خرچ کئے کوہالہ تک پہونچا جا سکتا ہے۔ چونکہ بلندی کم ہوتی جاتی ہے گرمی بڑھتی جاتی ہے۔ پارہ کا درجہ 115 ڈگری تک گرمیوں میں جا پہنچتا ہے۔ کشمیر کی راہ میں سب سے نیچی اور گرم جگہ ہے۔ سرکار انگریزی کی سرحد کا آخری مقام ہے۔ یہاں سے دریائے جہلم ساتھ ہو لیتا ہے۔ اور بارہ مولا تک سڑک کے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ دریا کے اسطرف سرکار انگریزی کا علاقہ اور دریا کے پل کے پار ریاست کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے یہاں بھی سترہ میل کی طرح ٹارنی کس ٹیکس وغیرہ دینا پڑتا ہے۔ اور اسباب اور مسافروں کو پروانہ راہداری ملتا ہے۔ جو آگے چلکر دومیل میں دکھانا پڑتا ہے۔ کوہالہ میں ڈاک بنگلہ۔ مختصر سا بازار۔ پوسٹ آفس اور تار گھر ہے۔ پٹرول یہاں ملسکتا ہے۔

دولائی۔ کوہالہ سے دولائی فاصلہ ۱۲ میل۔ سطح سمندر سے بلندی ۲۰۲۳ فیٹ۔ کوہالہ سے رفتہ رفتہ چڑھائی شروع ہوتی جاتی ہے۔ سڑک نہایت عمدہ حالت میں ہے۔ تھوڑے فاصلہ پر برسالہ کا ڈاک بنگلہ آجاتا ہے۔ یہاں بھی شب باشی ہو سکتی ہے۔ بائیں طرف دریا چکر کھاتا۔ اٹھکھیلیاں کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ دونوں طرف سبز پوش۔ اور موسم بہار میں گل پوش پہاڑ اور ان میں چشمے پھوٹتے ہوئے عجب بہار دیتے ہیں۔ تھوڑی تھوڑی دور پر سڑک کے ساتھ ساتھ برف جیسے سرد پانی کے چشمے ملتے ہیں۔ جنکا پانی نہایت خوشگوار اور ہاضم ہوتا ہے۔

ضرور پینا چاہیئے۔ یہاں بھی ڈاک بنگلہ ہے۔

ضروری نوٹ:۔ سیاحوں کو یاد رہے کہ یہ ڈاک بنگلے انگریزوں اور رئیسوں کے ٹھہرنے کیلئے ہیں۔ کرایہ زیادہ ہے لیکن اگر ضرورت قیام کی پڑ جائے تو یہاں کے کرایہ کا نرخ حسب ذیل ہے۔ فی کس ایک روپیہ ایک رات دن کیلئے۔ اور چاول کی پلیٹ اور سالن کے چھ آنے۔ چائے کی چاہے ایک پیالی لو یا چھ پورے ۱۲ ر چارج کرتے ہیں۔ بستر اپنا برتنا پڑتا ہے۔ یہی نرخ ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں دینا چاہیئے۔ اگر زیادہ مانگے تو اس سے کہا جائے کہ وہاں کے نرخنامہ کا شیٹ پیش کرے جو کچھ ردّ و بدل ہوئی ہو اس کے مطابق دے۔ کوئی شخص چوبیس گھنٹہ سے زیادہ رہنے کا مجاز نہیں۔ اگر جگہ فالتو ہو تو مضائقہ نہیں۔

دومیل:۔ دولائی سے دومیل کا فاصلہ ۹½ میل ہے۔ بلندی ۲۱۵۰ فیٹ۔ دومیل بڑا بھاری پڑاؤ ہے۔ اس کے دومیل نام رکھے جانے کی وجہ تسمیہ یہ ہے۔ کہ یہاں دو دریا ملتے ہیں۔ دریائے جہلم و دریا کشن گنگا۔ اور اسی مقام پر ایبٹ آباد اور کابل کو جانے والی سڑک آکر ملتی ہے۔ اچھا خاصہ بازار ہے۔ ہر ایک چیز مل سکتی ہے کشمیر کے پھل یہاں دوکانوں پر دھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ریاست کا ریسٹ ہوس بھی ہے۔ ضرورت ہو تو یہاں بھی ٹھہر سکتے ہیں۔ مگر قباحت یہ ہے کہ اگر سرکاری آدمی آجائیں تو خالی کرنا پڑیگا۔ کرایہ فی کس ۸ ر اور اگر اور آدمی ہمراہ ہوں تو ۴ ر فی دیگر کس۔ ایک ڈاک بنگلہ بھی ہے۔

یہاں دریائے جہلم پر بڑا مضبوط اور خوبصورت پُل بنا ہوا ہے۔ جسکی سیڑھیاں نیچے تک جاتی ہیں۔ اور دریا کی لہریں انکی قدمبوسی کرتی ہیں سامنے پہاڑی کے دامن میں میل بھر کے فاصلے پر مظفر آباد کا قصبہ ہے اور پہاڑی پر پرانا سکھوں کا قلعہ ہے۔ اُس سے پرے کوہ کرنال کی ۱۴ ہزار فیٹ بلند چوٹی نظر آتی ہے جو شروع موسم گرما تک برف پوش رہتی ہے۔ یہاں بھی لوگ چشموں کا پانی استعمال کرتے ہیں۔

دومیل میں بھی ٹال یعنی ٹیکس سوا روپیہ فی کس لیا جاتا ہے۔ کسٹم ہاؤس پر ہر مسافر کے ذاتی اسباب کی سرسری تلاشی قانوناً لی جاتی ہے کہ مبادا کوئی قابل محصول اشیاء تجارت یا اسلحہ جات وغیرہ ہوں۔ اگر کوئی قابل محصول چیز ہو تو پہلے بتا دینا چاہیئے۔ یہاں اس پڑتال وغیرہ میں نصف گھنٹہ کے قریب خرچ ہو جاتا ہے۔

گڑھی۔ دومیل سے فاصلہ ۱۴ میل۔ کوہالہ سے ۴۳ میل۔ بلندی سطح سمندر سے ۲۶۰۰ فیٹ۔

دومیل سے آگے نکل کر منظر بالکل بدل جاتا ہے۔ دومیل سے ایک میل بڑھکر سڑک ایک بلند چٹان کو کاٹ کر بنائی گئی ہے چٹان کے کٹاؤ... میں مختلف اقسام کے پتھروں کی تہ صاف نظر آتی ہے چڑھائی شروع ہو جانے کی وجہ سے دریا کا بہاؤ نہایت تیز ہو جاتا ہے۔ یہ علاقہ ماسبق علاقے سے زیادہ سرد ہے۔ ارد گرد کی

پہاڑیوں ۔ خودرنگ جنگلی انار اور گلاب کی جھاڑیوں کے بیشمار درخت قطار در قطار ۔ چٹانوں ۔ اور دامن کوہ میں روئیدہ ہیں ۔ اس راستے میں دور دور کی پہاڑیاں سبزہ پوش نہایت بھلی معلوم ہوتی ہیں ۔ بہار میں منظر نہایت دلفریب ہوتا ہے ۔ یہاں بھی ایک خوبصورت ڈاک بنگلہ ہے ۔ ڈاک خانہ تار گھر بھی ہے ۔ سامان خورد و نوش مہیا ہو سکتا ہے ۔ دریا کے پار گاؤں ہے ۔ یہاں ایک پل دریا پر تعمیر کیا گیا ہے ۔ آب و ہوا زیادہ مرطوب ہونیکی وجہ سے ملیریا بخار اکثر یہاں پھیل جاتا ہے ۔ اگر رات کیلئے یہاں قیام کرنا ہو تو مچھروں سے بچاؤ کیلئے جالدار مسہری کا ضرور استعمال کرنا چاہئے ۔ مگر کونین بطور حفظ ماتقدم استعمال کرنی چاہئے ۔

چناری ۔ گڑھی سے فاصلہ ۱۲ میل ۔ بلندی سطح سمندر سے ۴۰۰۰ فیٹ

چڑھائی جاری رہتی ہے ۔ تمام راستے میں یہ قطعہ سب سے زیادہ مناظر دلفریب پیش کرتا ہے ۔ شام کے وقت سڑک پر چھاؤں رہتی ہے ٹھنڈی ٹھنڈی عنبر بیز نسیم شمیم جان کو معطر کرتی ہے ۔ قدم قدم پر ٹھہرنے کو جی چاہتا ہے ۔ دریا کے متعدد آبشار ایک سریلی جھنکار پیدا کرتے ہیں ۔ دریا دیو ہیکل چٹانوں کو کاٹ کر گذرا ہے ۔ ان سنگین دیواروں کا نظارہ نہایت موثر ہوتا ہے ۔ بادلوں کے قافلے کے قافلے بلند پہاڑوں کے دامن سے ہم آغوش نظر آتے ہیں ۔ چوٹیاں خوب دھوپ میں چمکتی نظر آتی ہیں ۔ مگر ان سے نیچے کا حصہ بادلوں سے ڈھکا ہوا

ہوتا ہے۔ جن میں بجلی چمک و رعد کی گرج بھی اکثر سنائی دیتی ہے۔ اس راستے کا کچھ علاقہ خطرناک ہے۔ یہاں آتش فشاں پہاڑ ہے۔ اور سڑک کے کنارے کی پہاڑیاں الگ تھلگ چٹانوں اور چھوٹے چھوٹے پتھروں سے بنی ہوئی ہیں۔ بارش وغیرہ کی وجہ سے اکثر یہ پتھر اور مٹی سڑک پر آن پڑتے ہیں۔ اور راستہ قطعی بند ہو جاتا ہے۔ اور اس علاقے میں بارش اکثر ہوتی رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے یہاں کے پہاڑ سخت سے سخت گرمی کے موسم میں بھی نہایت سرسبز اور شاداب اور پھولوں سے لدے رہتے ہیں۔ چنار کے درخت بھی اوّل اوّل اس راستے میں نظر آتے ہیں۔ خاص چناری کے ارد گرد چاروں طرف سبز پوش پہاڑ جن کے قدموں میں ہری دھان کی لہلہاتی ہوئی کھیتیاں۔ چشموں کا پھوٹنا۔ دریا کی اٹھکھیلیاں۔ موسم کی خوشگواری دل پر ایک عجیب کیفیت طاری کرتی ہے کہ انسان تمام عمر فراموش نہیں کر سکتا۔ اس علاقے سے گذر جانے پر بھی اکثر یہاں کا منظر آنکھوں کے سامنے بار بار آجاتا ہے۔

عجب طرفہ تماشہ عالم ایجاد رکھتا ہے
جو آنکھیں دیکھ لیتی ہیں اُسے دل یاد رکھتا ہے

چناری میں سڑک کے کنارے بلندی پر ڈاک بنگلہ ہے۔ ڈاک بنگلے کے متصل ایک مختصر سا بازار ہے۔ جہاں ہر ایک چیز معمولی ضرورت کی مل سکتی ہے۔ گنجائش ہو تو ڈاک بنگلے میں نہیں تو بازار کی دوکانوں کے اُوپر کے بالاخانوں میں قیام ہو سکتا ہے۔ کرایہ تمام بالائی منزل کا

جس میں دس پندرہ آدمی رات گذار سکتے ہیں۔ ۸ ر سے لیکر حد روپیہ تک ہوتا ہے۔ چھوٹے کمرے ۲-۴ آنے میں ملجاتے ہیں۔ ان میں رہ تو آپ سکتے ہیں۔ مگر صفائی اور نفاست ان گھروں میں عنقا ہے۔ رات بھر مچھر پر لطف راگنیاں سناتے اور پسو جوش مستی میں چٹکیاں لیتے رہتے ہیں۔ چارپائی کا بان رسے کی موٹائی سے کم نہیں ہوتا۔ اس سے زمین پر سونا بہتر۔

چناری سے ایک میل آگے دریا کا بلند آبشار ہے۔ رات بھر پانی کی شائیں شائیں سامع نواز رہتی ہے۔ علی الصباح کا منظر نہایت باصرہ نواز و روح پرور ہوتا ہے۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی جنت کی وادی میں قیام ہے۔ سخت گرمی میں بھی راتکو لحاف کا جاڑا ہوتا ہے۔ صبح سورج نکلنے کے بعد موٹریں لاریاں قیام شب کے بعد یہاں سے چلتی ہیں۔ انکی روانگی سے پہلے خوب ادھر ادھر پہاڑ۔ آبشار چشموں۔ گل وریحان و سبزہ زمرد نگار کی سیر کرنی چاہیئے۔ کون بار بار آتا ہے۔ اور کون دیکھتا ہے۔ مگر آبادی سے بہت دور پہاڑوں میں نہ چلا جانا چاہیئے۔ مبادا کسی ریچھ سے مڈبھیڑ ہو جائے اور سچ مچ اس فانی جنت کی سیر کرتے کرتے اصلی جنت میں پہنچ جائیں۔ کشمیر کی پیداوار زرعی دھان باجرہ اور مکئی ہیں۔ ریچھ اکثر مکئی کے کھیتوں میں آجاتے ہیں۔ مگر ایسا اتفاق شاذ ہی ہوتا کہ ان سے کوئی نقصان جان ہوا ہو۔

اوڑی ۔ چناری سے فاصلہ ۱۸ میل بلندی سطح سمندر سے ۴۴۰۰ فیٹ کے قریب۔

راستہ ویسا ہی منظر فریب ہے۔ جیسے پہلے لکھا جا چکا ہے۔ البتہ اتنی زیادتی ہے۔ کہ دریا کے پرلی طرف بے سبزہ و گیاہ و بوقامت تراشی ہوئی چٹانیں نظر آتی ہیں۔ بادل چھوٹی موٹی پہاڑیوں میں آنکھ مچولی کھیلتے پھرتے ہیں۔ سڑک نہایت چکردار طریقے سے نکالی گئی ہے۔ کئی مقام پر تو خالص سنگ خارا کاٹ کر سڑک بنائی گئی ہے۔ سڑک کے اس حصہ کو طیار کرنے کیلئے ریاست کا بے انتہا روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اور بہت سے مزدوروں کی جانیں کام آئیں تھیں۔ چناری سے سات آٹھ میل پر ایک نالے پر سنگین پُل بنا ہوا تھا جو ۱۹۲۸ء کے سیلاب عظیم میں تباہ ہو گیا تھا۔

بلیشمار ندی نالے دریا سے آملتے ہیں۔ سینکڑوں چشمے چھم چھم کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ بارش کی کثرت اور زمین مٹی اور پتھر کی آمیزش ہونیکی وجہ سے یہ ٹکڑا بھی سڑک کیلئے نہایت خطرناک ہے۔ خاصکر برھم کھاٹ کا مقام بارش کے بعد موٹر میں سفر کرنے کے لئے ازلبس خطرناک ہے کہ بارش کی وجہ سے پتھر مٹی سے چھوٹ جاتے ہیں اور سڑک پر گڑگڑاہٹ یا دھماکے سے آپڑتے ہیں۔ اکثر جگہیں اُن سے رُکی رہتی ہیں۔ مگر خدا کی قدرت ہے کہ ابتک نقصان جان بہت ہی کم ہوا ہے۔ نالوں میں ریچھ بکثرت ہیں۔ بعض نالے ریچھ کے شکار کے لئے مہاراجہ کیلئے وقف ہیں۔ اوڑی کا گردونواح کبھی مارخور بکرے کے لئے مشہور تھا۔ مگر اب یہ معدوم ہو چکے ہیں۔

اوڑی کے قریب پہنچنے پر قلعہ اور گاؤں نظر آئیگا۔ یہاں ایک مسلمان جاگیردار رہتا ہے۔ راستے کا یہ حصّہ سانپ کی طرح پیچ و بل کھاتا جاتا ہے۔ سب سے بہتر نظارہ اوڑی سے پانچ میل پہلے آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ہیکل دیو کے منہ میں سے سڑک نکل رہی ہے دُھر گھاٹی کے اندر جاکر پھر سڑک پہاڑ کے دامن میں دریا کے کنارے آتی ہے۔ اوڑی میں چناری سے بھی بہتر ڈاک بنگلہ ہے۔ اور انتظام خورد و نوش بہتر۔

جو لوگ راولپنڈی سے علے الصباح چل کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ یہاں آکر قیام کرتے ہیں۔ اور جو ذرا دیر سے چلتے ہیں یا مری کی سیر کرنے لگ جاتے ہیں۔ وہ چناری میں پڑاؤ کرتے ہیں۔ اوڑی میں پونچھ کی طرف سے بھی راستہ آملتا ہے۔

رامپور۔ اوڑی سے فاصلہ ۱۳ میل۔ کوہالہ سے ۸۲ میل۔ سطح سمندر سے بلندی ۴ ہزار ساڑھے آٹھ سو فیٹ چڑھائی برابر جاری رہتی ہے۔ یہ سڑک بھی بعض مقامات پر خالص چٹانیں کاٹ کر بنائی گئی ہے ایک جگہ کئی سو فیٹ (۴۰۰ فیٹ) کی چڑھائی آجاتی ہے۔ اب پہاڑیاں سلیٹ کے پتھر کی آجاتی ہیں۔ اوڑی سے سات میل کے فاصلے پر سڑک کے قریب برن کوٹری کے پرانے مندر کے خستہ کھنڈر ہیں۔ جہاں سے گذر کر سڑک ہموار ہو جاتی ہے۔ پہاڑ ذرا

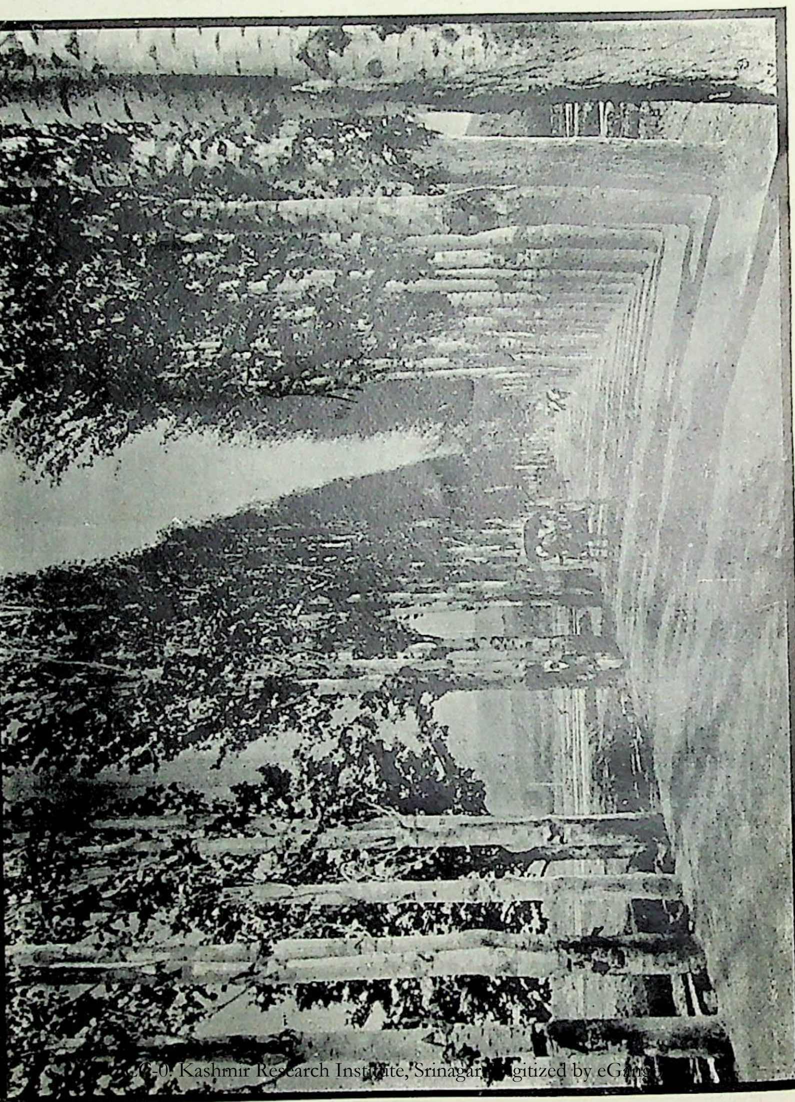
دُور ہٹ جاتے ہیں۔ موسم بہار میں اس کھُلی وادی کا نظارہ باغ جنت سے کم لطف اندوز نہیں ہوتا۔ جا بجا گل و ریحان و بنفشہ کھلے ہوئے زمین تمام زمردیں گھاس سے ڈھکی ہوئی ہوتی ہے۔ دور پہاڑ چیل کے دیو پیکر درختوں سے ڈھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک میل آگے بڑھکر بجلی گھر دریا کے کنارے ہے۔ جہاں آٹھ طاقتور انجن بجلی پیدا کرتے ہیں۔ اور سرینگر کو بجلی مہیّا کرتے ہیں۔ یہاں ایک ۶ میل لمبی پانی کی کاٹھ سے ڈھکی ہوئی نہر چار سو فیٹ کا آبشار پیدا کرتی ہے۔ اس سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ اس جگہ کا نام مہورہ ہے۔ رامپور کے نزدیک سر بفلک پہاڑیاں چیل کے درختوں سے ملبوس نظر آتی ہیں۔ ڈاک بنگلہ عمدہ اور آب و ہوا یہاں کی نہایت فرح بخش ہے۔ رامپور کے قرب میں دریا کے پار ایک خانقاہ ہے۔ جسے گھنٹہ مولا کہتے ہیں۔ شنید ہے کہ اس میں ایک فقیر کی قبر ہے جو معلق ہوا میں مقناطیسی تجاویز سے کھڑی کی گئی ہے۔ دید طلب ہے۔

بارہ مولا رامپور سے بارہ مولا ۱۶ میل کا فاصلہ ہے۔ بلندی سطح سمندر سے ۵۲۰۰ فیٹ۔

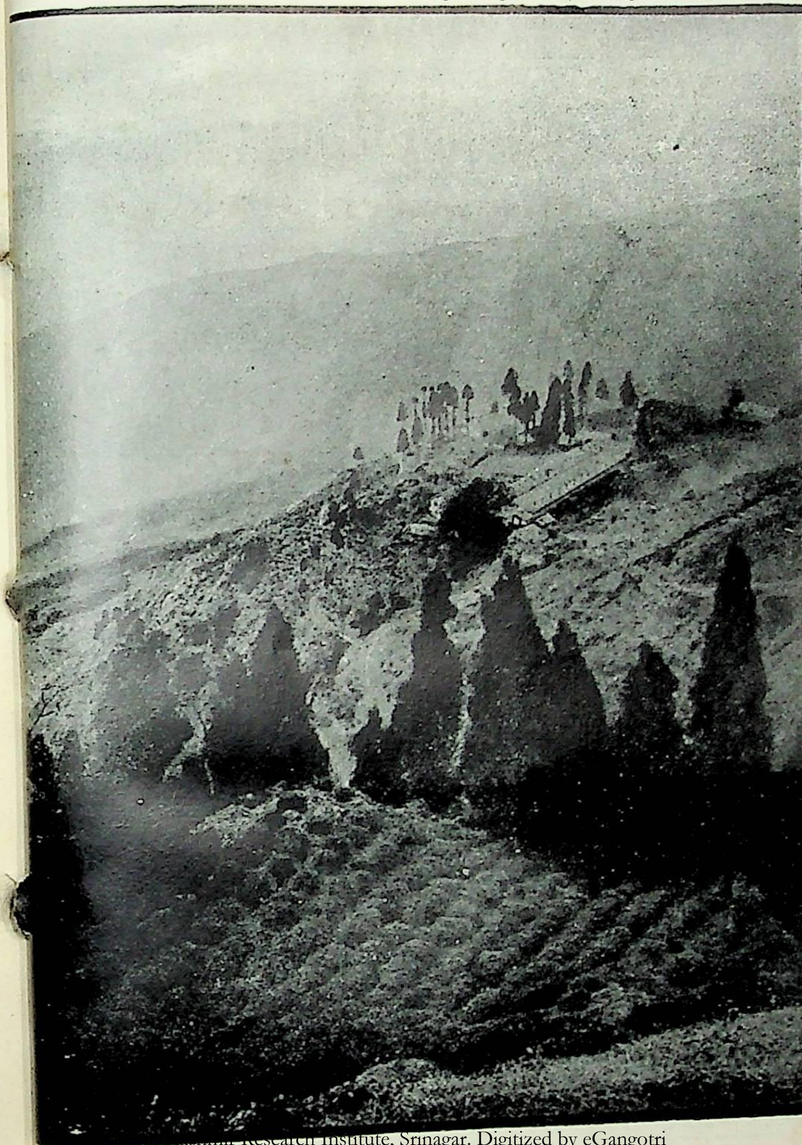
یہاں سے راستہ تقریباً ہموار ہے۔ اور وادی کشمیر شروع ہوتی ہے۔ ایک میل بڑھکر بنیار ندی عبور کر کے اسی نام کا گاؤں آتا ہے جہاں ایک پرانا مندر ہے۔ اس سے آگے بڑھکر دیو قامت چٹانیں پہاڑوں سے دور اس طرح پڑی ہیں گویا انہیں دیو یہاں اٹھا کر

رکھے گئے ہیں۔ پرانے زمانے میں کبھی کوئی گلیشیر (برفانی عظیم ٹکڑہ) انہیں یہاں تک گھسیٹ لایا ہوگا۔ اس کے بعد قلعہ نوشہرہ اور گاؤں آتا ہے ۱۸۸۵ء میں بھونچال نے سرینگر۔ بارہ مولا اور نوشہرہ کا علاقہ بالکل تباہ و برباد کر دیا تھا۔ نوشہرہ سے نکلکر سطح بالکل ہموار ہو جاتی ہے۔ دریائے جہلم ایک وہن کوہ سے نکلکر نہایت سنجیدگی اور سلاست سے سڑکوں کے ساتھ ساتھ بہنے لگتا ہے۔ یہاں دریا سے گارا۔ اینٹ۔ پتھر مٹی نکالنے کے لئے تاکہ دریا اٹ نہ جائے مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ اس وادی کا نظارہ بھی نہایت دلفریب ہے۔ آس پاس کے درختوں سے لدے پھندے پہاڑ اسکی خوبصورتی کے پاسبان اور محافظ معلوم ہوتے ہیں۔

بارہ مولا اس راستے میں کشمیر کا سب سے بڑا قصبہ ہے۔ قریباً ایک ہزار مکانات کی بستی اور تجارت کی بڑی بھاری منڈی ہے۔ تقریباً کشمیر کا نصف سے زیادہ تر و خشک میوہ یہاں سے دساور بھیجا جاتا ہے۔ سرینگر سے واپسی پر پھل بارہ مولا سے خریدنے چاہئیں۔ یہاں تازے اور سرینگر سے بہت ہی سستے ہوتے ہیں یہاں سے ہی خریدنے چاہئیں۔ یہ شہر دریا کے دونوں طرف آباد ہے۔ یہاں ڈاک بنگلہ۔ مشن سکول۔ مہاراجہ کا محل ہے۔ بازار میں دورویہ جھڑاں میوہ فروشوں کی دوکانیں ہیں۔ یہاں کے دوکاندار عموماً نرخ پہلے زیادہ بتاتے ہیں۔ آٹھ اور دس روپیہ سینکڑہ سیب



CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri



CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نظارۂ کوهستان سبزه زار کشمیر

بتا کر دو چار روپیہ سینکڑہ میں بیچ ڈالتے ہیں۔ اگر وہ کسی چیز کا روپیہ کہیں تو سمجھ لیجئے چار آنے میں سودا ہو جائیگا۔ بس اس تناسب کا خیال رکھکر سودا کرنا چاہیئے۔ ورنہ دھوکا کھاجاؤ گے۔

یہاں سے بعض لوگ براہ دریا بذریعہ کشتی سیر کرتے کراتے سرینگر جانا پسند کرتے ہیں۔ بارہ مولا کے اردگرد چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں اور دور بائیں طرف نانگا پربت کی چوٹی برف پوش ۲۶۹۰۰ فیٹ بلند دھوپ میں چمکتی نظر آتی ہے۔ پہاڑیوں میں پہلے بکثرت ریچھ ہوا کرتے تھے۔ اب مفقود ہیں۔ بارہ مولا کے پاس بھی دو ایک چشمے ہیں۔ جن کا پانی بہت ہاضم ہے۔ پھلدار باغات چاروں طرف ہیں۔ آدھ میل کے فاصلے پر دو پرانے منادر ہیں۔

پٹن - فاصلہ بارہ مولا سے ۱۶ میل سے کچھ زیادہ۔ بلندی ۵۲۰۰ فیٹ۔ سڑک کے دونوں طرف سفیدے کے لگاتار درخت ہیں جو سرینگر تک چلے گئے ہیں۔ یہ سڑک چند چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کو کاٹ کر آگے نکل جاتی ہے۔ پٹن اچھا خاصہ قصبہ ہے۔ ڈاک بنگلہ ہے۔ گاؤں سے پرے سڑک کے کنارے کچھ منقوش پتھر پڑے ہیں۔ اردگرد بکثرت پھلدار باغات ہیں۔ لکڑی کی باریک باریک تختیاں چھپر بنانے کیلئے چیرنے کا یہاں کارخانہ ہے۔ اور پھلوں کے لیئے کاغذی لکڑی کے صندوق بھی بکثرت بنائے جاتے ہیں۔

سرینگر - پٹن سے ۱۸ میل۔ ڈکوہالہ سے ۱۳۲ میل اور راولپنڈی

سے ۱۹۶ میل (بلندی سطح سمندر ۵۲۰۰ فیٹ۔ سڑک کے دونوں طرف سفیدے کے درخت چلے گئے ہیں۔ بیچ میں چند چنار کے درخت بھی آجاتے ہیں۔ سڑک کے دونوں طرف دھان کی لہلہاتی کھیتیاں ہیں۔ اور ان سے پرے دور پہاڑیاں نظر آتی ہیں۔ پٹن سے ۹ میل کے فاصلے پر ایک سڑک گلمرگ کو چلی جاتی ہے۔ شہر کے نزدیک پہنچکر پریڈ کے میدان کا بڑا چکر لگا کر امیرا کدل (سرینگر میں دریائے جہلم کا پل) پر جا پہنچتی ہے۔ یہ سرینگر ہے۔

تمام راستہ کم وبیش اٹھارہ گھنٹے میں راولپنڈی سے سرینگر تک طے ہو جاتا ہے۔



باب ششم

دوسرا راستہ

جمّوں سے سرینگر

یہ راستہ بھی نہایت منظر فریب اور بیحد دلچسپ ہے۔ بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ کشمیر کے تمام راستوں میں یہ سب سے زیادہ پُر منظر اور دِل خوش کُن راستہ ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ بات بھی ہے کہ بارش کے ایّام میں اکثر پتھر پھسلنے کی وجہ سے یہ سڑک عموماً بند ہو جاتی ہے جو فوراً صاف کردیجاتی ہے۔ یہ راستہ ایسی جنت نظیر وادیوں۔ نغمہ ریز آبشاروں اور سر بفلک پہاڑوں کے اُوپر سے گذرتا ہے۔ کہ تمام عمر فراموش نہیں ہوتا۔

جو صاحب پیدل جانا چاہیں اُن کے لئے ایسا دلفریب راستہ اور کوئی نہیں۔ آگے چل کر ہم پیدل سیاحوں کیلئے اس راستہ کا حال لکھینگے اودھم پور سے آگے نکلتے ہی ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ دوزخ سے نِکلکر جنت میں آگئے۔ اسطرف کا علاقہ گرم خشک اور اس طرف کا سرسبز وشاداب

سامنے دلفریب وادیاں۔ سر بفلک پہاڑ۔ قدم قدم پر جوئیبار۔ نغمہ زن آبشار۔ پیچ در پیچ مار سفید سے سرسبز پہاڑیوں میں راستے۔ بادلوں کا کسی کمسن معشوق کی طرح فضائے آسمانی میں کھیلتے پھرنا اور پہاڑوں کا انہیں اپنی آغوش میں جگہ دینا۔ کیا لکھوں اور کیونکر وہ تصویر کھینچوں۔ ؎

وُہ پُر بہار وادیاں وُہ دیو وار گھاٹیاں
وُہ آبشار کا سماں۔ وُہ بوندیاں سحاب کی
وُہ راستوں کا گھومنا۔ ہر اک شجر کا جھومنا
پہاڑیوں کا چومنا۔ رکاب ہر سحاب کی
(حضرت جلیل)

انسان بچشم خود دیکھکر ہی ان مناظر سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

جموں۔ نارتھ ویسٹرن ریلوے کا آخری سٹیشن ہے۔ فاصلہ لاہور سے ۱۱۴ میل ہے۔ وزیر آباد جنکشن سے ریل گاڑی جموں کیلئے بدلنی پڑتی ہے۔ یہ ریاست کشمیر کا بڑا شہر ہے۔ اور موسم سرما میں ریاست کا دارالخلافہ ہوتا ہے۔ بہت بارونق شہر ہوگیا ہے۔ مزید برآں سری حضور مہاراجہ ہری سنگھ بہادر نے جو نئی عمارات بنوائی اور سڑکیں تعمیر کروائی ہیں۔ اس سے اسے اور چار چاند لگ گئے ہیں۔ پنجاب سے قریب تر ہونیکی وجہ سے یہ سرینگر کی طرح گندہ شہر نہیں۔ بلکہ زیادہ صاف اور باشندے بھی صاف ستھرے رہتے ہیں۔

ریلوے سٹیشن سے جموں شہر کے درمیان توی ندی کے پُل کو

عبور کر کے بائیں طرف ایک سڑک ہے۔ جو نہر چناب کی طرف چلی جاتی ہے۔ اس نہر کا پانی عین موسم گرما میں نہایت سرد ہوتا ہے۔ بمشکل پانچ چھ منٹ تک اسمیں نہایا جا سکتا ہے۔ یہاں سے ۱۸ میل کے فاصلے پر اکھنور کا مقام ہے۔ یہاں یہ نہر چناب سے نکالی گئی ہے شوقین لوگ نہر میں غسل کرنے جاتے ہیں۔ آم خرید کر دس بارہ منٹ تک نہر میں کپڑے میں باندھ کر لٹکا دیتے ہیں۔ جو برف کی طرح یخ ہو جاتے ہیں۔

اگر براہ جموں جانا ہو تو یہاں آکر ضرور آم نوش کرنے چاہئیں کیونکہ سرد پانی میں ڈوبے رہنے سے اُن کا رس بالکل ملائی کی برف کی طرح ہو جاتا ہے۔ جموں سے آگے چلکر آم ناپید ہے۔ کشمیر میں آم نہیں ہوتا۔

پہلے جموں سرینگر کا راستہ عام پبلک کے لئے بند تھا۔ مگر مہاراجہ موصوف نے ۱۹۲۳ء سے یہ راستہ عوام کیلئے کھول دیا ہے جس سے شہر جموں اور اس علاقے کی رونق اور تجارتی حالت دن بدن زیادہ ترقی پذیر ہوتی جاتی ہے۔ فاصلہ جموں سے سرینگر براہ سڑک۔ مری والے راستے سے ۵ - ۷ میل زیادہ ہے۔

صبح کی گاڑی سے جموں پہنچکر فوراً موٹر یا لاری کر لینی چاہئے۔ کرایہ تقریباً وہی ہیں۔ جو براہ مری ہیں۔ پہلے راستے کا محصول نہیں تھا۔ شروع ۱۹۲۸ء سے وہ بھی لگا دیا گیا ہے۔ اور تمام راستے میں سرینگر تک فی کس سوا روپیہ محصول (Toll) دینا پڑتا ہے۔ مری کی طرف سے دو روپیہ فی کس ہے۔

جموں سے اُودھم پورا فاصلہ ۳۴ میل۔

جموں سے نکلکر توی ندی کے ساتھ ساتھ سات آٹھ میل تک سڑک جاتی ہے۔ ندی کے دوسری جانب پہاڑ ہے۔ سایہ دار درختوں اور پیچدار راستے کے علاوہ کوئی اور دلفریب منظر نہیں۔ اس سے آگے ایک خشک پہاڑ کی چڑھائی آجاتی ہے۔ سڑک نہایت پیچ وخم کھاکر اوپر چڑھتی ہے مری اور شملہ کی سڑکوں کا نظارہ یاد آتا ہے۔ پہاڑ عبور کرتے ہی دوسری دنیا آجاتی ہے۔ پہاڑ کے اسطرف تو گرم خشک علاقہ ہے اور دوسری طرف نہایت سرسبز و فرحت انگیز وادیاں۔ اور کیف آور مناظر ہیں۔ بعینہٖ دوزخ وجنت کا مقابلہ ہے۔ ۱۵ میل کے فاصلے پر خالص سنگ خارا کی چٹان چیر کر سرنگ سڑک کیلئے نکالی گئی ہے۔ اس کے قریب ڈاک بنگلہ اور دودھ اور مٹھائی کی دوکانیں ہیں۔ اس سے آگے رانی کا تالاب مقام آتا ہے۔ وہاں ٹال یعنی محصول سوا روپیہ فی کس لیا جاتا ہے۔ (اس سے آگے تھوڑی دور ایک سڑک اسی سڑک سے ویشنو دیوی ایک مشہور ہندو مقدس مقام کو نکلتی ہے) رانی کے تالاب سے نکل کر اوترائی شروع ہوتی ہے۔ پھر نالہ جھجھر آجاتا ہے۔ اس کا پانی نہایت سفید بمثل دودھ ہے۔ اسی لئے اسے دودھ گنگا بھی کہتے ہیں۔ اور نہایت ٹھنڈا اور شیریں ہے۔ موسم بہار کا نظارہ اس علاقے کا جنت نظیر۔ نکہت گلہائے رنگین سے بالیدگی جسم وروح ہوتی ہے۔ پُل عبور کرنے کا نظارہ نہایت دلکش ہے۔ یہاں کی کیفیات سے متاثر

وہ سیّاح

جو

براہ جموّں۔ درّہ بنیہال سیر کشمیر کرنا چاہیں

انہیں بذریعہ گورنمنٹ موٹر میل سروس جموّں سفر کرنا چاہئے

کیونکہ

ہماری سُرخ رنگ کی موٹر لاریاں حفاظت سفر اور آرام و آرائش کے

لئے مشہور ہیں؟

روزانہ چلتی ہیں

براہِ نہائے

: اودہم پور۔ بٹوٹ۔ رام بن، اسلام آباد

اننت ناگ - امیراکدل . سری نگر

شرح کرایہ و مزید حالات کے لئے پتہ ذیل سے

خط و کتابت کریں....

پروپرائیٹر گورنمنٹ موٹر میل سروس (ہیڈ آفس) جموں

جموں سے اُودھم پور۔ فاصلہ ۴۳ میل۔

جموں سے نکلکر توی ندی کے ساتھ ساتھ سات آٹھ میل تک سڑک جاتی ہے۔ ندی کے دوسری جانب پہاڑ ہے۔ سایہ دار درختوں اور پیچدار راستے کے علاوہ کوئی اور دلفریب منظر نہیں۔ اس سے آگے ایک خشک پہاڑ کی چڑھائی آجاتی ہے۔ سڑک نہایت پیچ وخم کھاکر اوپر چڑھتی ہے مری اور شملہ کی سڑکوں کا نظارہ یاد آتا ہے۔ پہاڑ عبور کرتے ہی دوسری دنیا آجاتی ہے۔ پہاڑ کے اسطرف تو گرم خشک علاقہ ہے اور دوسری طرف نہایت سرسبز وفرحت انگیز وادیاں۔ اور کیف آور مناظر ہیں۔ بعینہٖ دوزخ وجنت کا مقابلہ ہے۔ ۱۵میل کے فاصلے پر خالص سنگ خارا کی چٹان چیر کر سرنگ سڑک کیلئے نکالی گئی ہے۔ اس کے قریب ڈاک بنگلہ اور دودھ اور مٹھائی کی دوکانیں ہیں۔ اس سے آگے رانی کا تالاب مقام آتا ہے۔ وہاں ٹال یعنی محصول سوا روپیہ فی کس لیا جاتا ہے۔ (اس سے آگے تھوڑی دور ایک سڑک اسی سڑک سے ویشنو دیوی ایک مشہور ہندو مقدس مقام کو نکلتی ہے) رانی کے تالاب سے نکل کر اترائی شروع ہوتی ہے۔ پھر نالہ جھجر آجاتا ہے۔ اس کا پانی نہایت سفید بمثل دودھ ہے۔ اسی لئے اسے دودھ گنگا بھی کہتے ہیں۔ اور نہایت ٹھنڈا اور شیریں ہے۔ موسم بہار کا نظارہ اس علاقے کا جنت نظر۔ نگہت گلہائے رنگین سے بالیدگئ جسم وروح ہوتی ہے۔ پل عبور کرنے کا نظارہ نہایت دلکش ہے۔ یہاں کی کیفیات سے متاثر

ہو کر سابق مہاراجہ بہادر نے یہاں خاص اپنے لئے ایک بنگلہ تعمیر کروایا تھا۔ ہمیشہ موسم بہار میں یہاں مقیم ہوا کرتے تھے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ تمام کشمیر کو چھوڑ کر وہاں کا راجہ جب اس جگہ قیام بہار اختیار کرے تو وہ کیسی پُر منظر جگہ ہوگی۔ پُل عبور کر کے پھر چڑھائی شروع ہوتی ہے قدم قدم پر سرد۔ ہاضم چشمے ملتے ہیں۔ اودھم پور پہنچنے سے پہلے ڈاک بنگلہ آجاتا ہے۔ اصل قصبہ اودھم پور ایک بلند پہاڑی پر واقعہ ہے۔

اودھم پور گل وریحان کی شگفتگی کے نظارے اور صنفِ نازک کی ملائک فریب خوبصورتی کیلئے از بس مشہور ہے۔ اودھم پور میں سڑک اور شہر کے درمیان ٹیلہ کے دامن میں تین باؤلیاں ہیں۔ جن کا پانی نہایت ٹھنڈا اور خوشگوار ہے۔ وہیں ساتھ ہی ایک نالہ بہتا ہے۔ اس نالے کے کنارے دن بھر حسینانِ اودھم پور کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ گویا حسین آبی جانور پانی کے کنارے جمع ہو کر کلیلیں کر رہے ہیں۔

عام طور پر یہاں پانی بھرنیوالی دیہاتی مستورات کا تانتا بندھا رہتا ہے صنفِ نازک میں حسن بلا خیز موجود ہے مگر اسطرح جسطرح روڑی کوڑی میں گلاب۔ لباس بھدّا اور طبیعت گندی۔ ایکبار ایک سیاح جونالے کے ساتھ ساتھ سیر کرتے چلے جاتے تھے۔ ایک پُر لطف نظارے میں اسقدر محو ہوئے کہ پھسل کر نالے کے برف آب میں جا پڑے۔ چودہ طبق روشن ہو گئے۔ آمنے سامنے اِدھر اُدھر کی ماہ جبینوں نے قہقہہ لگایا۔ نہایت شرمندہ ہو کے بصد مشکل نالے سے نکل کر

بگٹٹ گاؤں کی طرف بھاگے۔

اودھم پور ریاست کا ضلع ہے۔ اچھا بڑا قصبہ ہے۔ کچہری عدالت تھانہ ہسپتال۔ ڈاک خانہ تارگھر سب کچھ ہے۔ گھی کی بڑی منڈی ہے۔ ایک بازار ہے۔ جس میں ایک دیو پیکر بڑ کا درخت کھڑا ہے۔ اس کے نیچے موٹریں۔ لاریاں جاکر ٹھہرتی ہیں۔ کھانے پینے کی جملہ اشیاء ملجاتی ہیں۔

اودھم پور سے سمرول۔ فاصلہ ۱۱ میل۔

اودھم پور سے نکلکر ایک طرف پہاڑ دوسری طرف نالہ توی۔ دونوں کے بیچ میں سڑک چلتی ہے۔ نظارہ قابل دید ہے۔ سرد پانی کے اُبلتے ہوئے چشمے اور باؤلیاں قدم قدم پر۔ سایہ دار درخت بیشمار۔ ہری ہری کھیتیاں پہاڑ کی چوٹیوں تک ہوا سے لہراتی نظر آتی ہیں۔ دور دور الگ بلندیوں پر زمینداروں کی جھونپڑیاں یہ سب ایک نہایت پُر کیف نظارہ ہے۔ سڑک کے کنارے جنگلی انار کے درخت جسے داڑو کہتے ہیں۔ اور کپھولدار سبز سبز جھاڑیاں بکثرت ہیں۔ آپ خیال کر سکتے ہیں۔ کہ موسم بہار کا نظارہ کس قدر دلکش ہوگا۔ اودھم پور سے ۷۔۸ میل پر ایک خوشنما آبشار ہے۔ گرمی کے موسم میں اس میں نہانے میں بہت لطف آتا ہے۔

تھوڑی دور چلکر نالے کے پار بلندی پر ایک پرانا قلعہ ہے سمرول کے پاس ایک نہایت بلند آبشار ہے۔ اور ایک نہایت خوشگوار

اور ہاضم چشمہ ہے۔ دو کانیں ہیں۔ ہندو مسلمان کے لئے اشیاء خوردنی مِلسکتی ہیں۔

سمرول سے گُڈھ۔ فاصلہ ۱۷ میل۔

سرسبز پہاڑیوں اور گل پوش وادیوں اور بہتے ہوئے چشموں میں سے سڑک گذرتی ہے۔ چڑھائی جاری رہتی ہے۔ دھرم کقل میں ڈاک بنگلہ آجاتا ہے۔ اس کے آگے چار میل کے فاصلے پر چنینی کا علاقہ آجاتا ہے۔ یہاں کا راجہ کشمیر کا باجگذار ہے۔ سڑک سے ذرا دُور قصبہ چنینی میں راجہ کے محلات اور دیگر عمارات سرسبز درختوں میں سے جھانکتی دکھائی دیتی ہیں۔ یہاں سے پھر ذرا سخت چڑھائی شروع ہو جاتی ہے۔ اور سانپ کی طرح پیچ در پیچ راستوں سے گذر کر پہاڑی کی چوٹی پر گُڈھ کا مقام آجاتا ہے۔ یہاں کا منظر نہایت ہی دلفریب و پُر فضا ہے۔ چشمے۔ آبشار۔ سرسبزی۔ پھُول پھل۔ غرضیکہ ہر ایک چیز اِس قدر دلکش و رُوح پرور ہے۔ کہ انسان دیکھتا ہے اور محوِ حیرت رہجاتا ہے۔ اِرد گرد کی پہاڑیاں خلعت زمردیں زیب تن کئے ہوئے ازل سے اس بہار کی دلفریبیوں سے مخمور بنی بیخود کھڑی ہیں۔ راستے میں چند نالے آتے ہیں۔ جو موسم برشگال میں خطرناک صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

یہاں ایک بڑا نفیس پانی کا چشمہ ہے۔ اس کا دہانہ پتھر کا شیر کے مُنہ کی طرح بنا ہُوا ہے۔ اس چشمے کا پانی دُور دُور تک

مشہور ہے۔ اسقدر ہاضم ہے۔ کہ جو کھاؤ ہضم ہو جاتا ہے۔ دُور دُور سے لوگ آکر یہاں قیام کرتے ہیں۔ جب تک فرصت ہو رہتے ہیں اور پھر جاتے ہوئے جتنا ہو سکے اس کا پانی ساتھ لیجاتے ہیں۔ مہاراج کے گرُو بھی یہاں چھ ماہ قیام کرتے ہیں۔ اس جگہ دوکانیں ہیں اور ضروری اشیاء ماکولات کا انتظام ہو سکتا ہے۔ نہایت ہی صحت بخش اور رُوح پرور مقام ہے۔ اس جگہ ڈاک بنگلہ۔ ریسٹ ہاؤس۔ ڈاک خانہ بھی ہیں چشمہ کے کنارے دوکانوں سے خورد و نوش کا سامان مل سکتا ہے۔

گُڈھ سے بٹوٹ۔ فاصلہ ۱۴ میل۔

چڑھائی جاری رہتی ہے۔ تمام راستے میں مناظر پُر فضا۔ سبزی دلکشا۔ آب وہوا خوشگوار۔ چشمہائے بیشمار آتے ہیں۔ سردی بڑھنے لگتی ہے۔ چار پانچ میل فاصلہ طے کرکے سڑک ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر جا نکلتی ہے چیل کے بیشمار درخت ہیں۔ پھر اترائی شروع ہو جاتی ہے۔ اور بٹوٹ کا مقام آجاتا ہے۔

یہاں مندر۔ تالاب۔ رسٹ ہاؤس۔ ہوٹل۔ شفاخانہ سب کچھ ہے۔ ہندو مسلمان دونوں کے کھانے پینے کا انتظام ہو سکتا ہے۔ بٹوٹ ایک نہایت صحت بخش مقام ہے۔ تپدق کے مریضوں کیلئے ایک نہایت مفید صحت گاہ ہے۔ ایسے مریضوں کیلئے ریاست کیطرف سے رہائش کا انتظام ہوتا ہے۔ ڈاکٹر بھی مقرر ہیں۔ ایسے

مریضوں کو بٹوٹ ہی میں رہنا چاہئیے۔ آگے ہرگز نہیں جانا چاہئیے۔ ورنہ بجائے فائدے کے سردی سے نقصان کا احتمال ہے۔

یہاں مہاراجہ کے محلات ہیں۔ پانی کے چشمے بافراط ہیں۔ عوام کی رہائش کیلئے عمدہ پکے مکانات ہیں اور سستے کرایہ پر مل سکتے ہیں۔ کرایہ حسب وسعت مکان ہوتا ہے۔ صرف شب باشی کیلئے ۴ر سے لیکر ایک روپیہ تک کرایہ ہوتا ہے۔ جمّوں سے چلے ہوئے مسافر عموماً رات کو بٹوٹ ہی میں قیام کرتے ہیں۔

موسم بہار میں شام۔ چاندنی رات اور صبح کے مناظر نافراموش کن ہیں۔ موسم بہار میں چاندنی رات میں نظّارہ ایسا دلخوش کن ہوتا ہے کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ تمام نیچر کی گلکاریاں چاند کی نقرئی چادر اوڑھے پہاڑوں کے آغوش میں سوئی ہوئی ہوتی ہیں۔ مگر ان کی چمن پیرا ہواؤں کے مست و مخمور جھونکے بیخود کئے دیتے ہیں۔

؎ جلوہ صبح ریز ہیں۔ شام چمن طراز ہیں
جاگ رہی ہیں نگہتیں پھول ہیں خواب ناز میں (اصلغر)

بٹوٹ سے رام بن۔ فاصلہ ۱۶ میل۔

بٹوٹ سے نکل کر سڑک نہایت دلکش وادی میں سے گذرتی ہے چار پانچ میل تک نمایاں ڈھلوان ہے۔ پھر اس سے آگے چار پانچ میل کے فاصلے پر پیرے کا بنگلہ آجاتا ہے۔ چشمے بکثرت ملتے ہیں۔ گل بدامن وادیاں ہیں۔ سرسبز زمرّدیں قطعات میں سے بیشمار جوئبار

اسطرح معلوم ہوتی ہیں۔ کہ سبز مخمل میں نقرئی ٹھپہ لگا ہوا ہے۔ دریائے
چندر بھاگا (چناب) کا میل ڈیڑھ میل نیچے غاروں میں بہتے ہوئے
دکھائی دینا ایک ایسا خوشنما و مہیب نظارہ ہے جو ہمیشہ کے لئے
دل پر کا لنقش فے الحجر ہو جاتا ہے۔ بنگلہ پیرا پر ہلکی ریفرشمنٹ کا سامان
ملسکتا ہے۔ آگے چلکر دریا کے پار چوٹی پر ایک پرانا قلعہ نظر آتا ہے۔
جس کے تین طرف پانی ہے اور ایک طرف نہایت دشوار گذار رستہ۔
کسی زمانہ میں یہ قلعہ ریاست کے قیدیوں کیلئے عبور دریائے شور
کی سزا کا مقام تھا یہاں سے دریا چندر بھاگا ساتھ ہو لیتا ہے۔ یہاں تک
تو آب ہوا سرد اور خوشگوار رہتی ہے۔ آگے بڑھکر اوترائی میں علاقہ گرم
ہوتا جاتا ہے۔ نظارہ ایک طرف پہاڑ دوسری جانب دریائے
چندر بھاگا یا چناب۔ سرسبزی اتنی نہیں۔ مگر موسم بہار میں یہ مقام
بھی جنت الفردوس ہوتا ہے۔ آگے کھلا میدان آتا ہے۔ آب ہوا
ذرا گرم۔ پھر چند میل طے کر کے پہاڑیاں آجاتی ہیں۔ پھر وہی پر فضا
کیفیتیں پیش نظر آجاتی ہیں۔ چشمے ابلتے ہوئے۔ پانی کی کثرت۔
شادابی کی بہار۔ ایک طرف دریا ٹھاٹھیں مارتا۔ اٹھکھیلیاں کرتا ہوا
گذرتا ہے۔ اسکی موجیں اطراف کے مناظر سے متاثر ہو کر فرش آب
پر رقص کرتی ہیں۔ ایک لہر دوسری لہر کو پکڑنے کیلئے والہانہ انداز
میں نکلتی ہے۔ دوڑتی ہے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے نہ معلوم کہاں
غائب ہو جاتی ہے۔ پھر اور بڑھتی ہے۔ یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔

اور انسان کو بیخود بنائے رکھتا ہے۔

اس سے آگے نکلکر رام بن کا قصبہ آجاتا ہے۔ جو دریا کے دونوں طرف آباد ہے۔ یہاں دریا پر ایک نہایت خوشنما جھولا پُل ہے۔ بعض سیاح بجائے بٹوٹ کے یہاں رام بن میں رات کو مقام کرتے ہیں۔ مگر میرے خیال میں بٹوٹ رام بن سے بہتر جگہ ہے۔

یہاں ڈاک بنگلہ۔ ریسٹ ہاؤس۔ تھانہ تحصیل ہسپتال ہے۔ کھانے پینے کی جملہ اشیاء ملجاتی ہیں۔ یہاں پہاڑ وں میں سے ایک نہایت زور کا چشمہ بڑی موٹی دھار کا آتا ہے۔ اس کا پانی موتی کی طرح صاف اور ذائقے میں نہایت شیریں ہے۔ دودھ اس جگہ کا نہایت عمدہ ہوتا ہے ۲ سے ڈھائی آنے سیر کا نرخ ہوتا ہے۔

رام بن سے رامسو۔ فاصلہ ۱۵ میل۔

رام بن سے نکلکر ایک طرف سڑک کے حسب معمول پہاڑ۔ دوسری طرف دریائے چناب۔ نرم چڑھائی جاری رہتی ہے۔ ۴ میل کے بعد چناب سڑک سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ اور اسکی بجائے عمیق کھڈ یا نالے آجاتے ہیں۔ چشمے باافراط راستے میں ملتے ہیں۔ نظارہ عمدہ۔ ایک چھوٹا سا آبشار بھی راستے میں آتا ہے جس میں مال کا چالان رانی کے تالاب سے ہوتا ہے۔ اس کا یہاں رام بن میں جائزہ لیا جاتا ہے۔ پھر آٹھویں میل پر ایک چشمے کا بڑا خوشمنظر آبشار ہے۔ یہاں کی سینری دلکش ہے۔ خواہ نخواہ سبزے پر لوٹنے

جی چاہتا ہے۔ یہاں ایک بار مہاراجہ مرحوم نے بیٹھ کر حقہ پیا تھا۔ جس جگہ حقہ پیا تھا۔ اس مقام کے ارد گرد لوگوں نے جنگلہ لگا دیا ہے۔ مگر اب جنگلہ وغیرہ خستہ حالت میں ہے۔ آبشار سے پہلے ایک بلور جیسے صاف شفاف پانی کا چشمہ ملتا ہے۔ اس کا پانی نہایت عمدہ ہے۔ یہاں تک تو علاقہ سبزہ زار پُر بہار ہے۔ پھر کچھ آگے چلکر نقشہ بدلتے بدلتے بالکل بدل جاتا ہے۔ علاقہ خشک۔ بے آب وگیاہ چٹانیں۔ چونے کے پہاڑ۔ کنکر اور روڑی کے ٹیلے آجاتے ہیں۔ درختوں پر اکثر بندر بھی کودتے دکھائی دیتے ہیں۔ آگے چلکر ایک مصنوعی چونے کی ٹنل آجاتی ہے۔ جو پانی کے نکاس کے لئے بنائی گئی ہے۔ تاکہ سڑک خراب نہو۔ اونزائی شروع ہوتی ہے اور رامسو تک جاری رہتی ہے۔ رامسو کے قریب تو علاقہ بالکل خشک اور بے لطف نظر آتا ہے۔ مگر موسم بہار میں یہ علاقہ بھی فردوس سے کم نہیں۔ قصبہ رامسو ایک ٹیلہ پر واقع ہے۔ یہاں ڈاک خانہ۔ ریسٹ ہاؤس ڈاک بنگلہ ہے۔ رہایش کا انتظام بخوبی ہو سکتا ہے۔ ۱۹۲۸ء سے مسافروں کے لئے ایک دوکان ماکولات کی کھل گئی ہے۔ اشیائے خوردنی معمولی مہیا ہو سکتی ہیں۔

رام سو سے بنیہال۔ فاصلہ ۱۰ میل۔

رام سو سے نکلکر سبزی پہلے سے بہتر ہو جاتی ہے۔ مگر بٹوٹ اور اس کے گرد و نواح جیسی نہیں۔ پانی کے دو ایک چشمے

ملتے ہیں۔ پہاڑ بھی سرسبز ہیں۔ چڑھائی اترائی برابر رہتی ہے۔ مگر چار میل بڑھکر سڑک ایکدم چکر کھاکر چڑھتی ہے۔ اور چڑھائی شروع ہوتے ہی پانی کی افراط۔ مناظر کیف آور کی بہتات۔ چشمے بیشمار۔ ایک طرف کھڈ دوسری طرف پہاڑ۔ لالہ زار۔ غرضیکہ نفیس نظارہ ہے۔ پھر بنیہال آجاتا ہے۔ یہاں ڈاک خانہ۔ ڈاک بنگلہ۔ تارگھر۔ رلیسٹ ہاؤس سب کچھ ہے۔ رہائیش کا انتظام خاطرخواہ۔ ماکولات کا بندوبست بہتر۔ گاؤں کے پاس ہی نالہ بہتا ہے۔ یہاں بھی ماہ جبین دیہاتنوں کا پانی بھرنے کا تانتا لگا رہتا ہے۔ یہ کوہ پیرپنچال کا دامن ہے۔

بنیہال سے ٹنل پیرپنچال۔ فاصلہ ۱۹ میل۔ بلندی ٹنل ۸۹۸۹ فیٹ۔

پہلے چار پانچ میل تو نرم چڑھائی ہے۔ اس کے بعد ذرا سخت چڑھائی شروع ہوتی ہے۔ نظارہ بدل جاتا ہے۔ پہاڑ بے آب و گیاہ۔ راستہ خشک بے کیف۔ پانی کمیاب۔ چشمے مفقود۔ البتہ جالدار سڑکوں کا نظارہ۔ مری اور شملہ سے بھی زیادہ پُرلطف ہے۔ موٹروں کیلئے البتہ کہیں کہیں پانی کا ذخیرہ مہیا کیا گیا ہے۔ تاکہ انجن کو ٹھنڈا کیا جا سکے۔ ۱۵ میل برابر چڑھائی جاری رہتی ہے۔ سردی زیادہ محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس چڑھائی میں سینری اور نظارے کی کمی کی وجہ سے کچھ لطف نہیں آتا۔ پھر ٹنل عین پہاڑ کی چوٹی پر آ

جاتی ہے۔ یہ خالص سنگ خارا کے پہاڑ کو تراش کر کوئی ڈیڑھ دو سو گز طویل سرنگ سڑک کیلئے بنائی گئی ہے۔ ماہ اکتوبر سے مئی تک یہ پہاڑ برف پوش رہتا ہے۔ اور یہ راستہ بند ہو جاتا ہے۔ موسم گرما میں بھی کافی سردی ہوتی ہے ٹنل سے باہر نکلتے ہی دوسری دُنیا دکھائی دیتی ہے۔ گذشتہ خشک اور بے آب و گیاہ پہاڑ ٹنل کے اسطرف پرستان میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ سماں ہی اور ہو جاتا ہے۔ ٹنل کے دہانے پر کھڑے ہو کر چند لمحوں کا نظارہ ساری عمر یاد رہنے کے قابل ہے۔ سامنے پہاڑ سبز پوش۔ پھلوں اور پھولوں سے لدے ہوئے۔ بیشمار چشمے آبشاروں کی طرح سرسبز پہاڑیوں میں گذرتے نہایت ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ نیچے وادی میں لہلہاتے ہوئے دھان کے کھیت۔ پہاڑیوں پر چیل۔ دیار کے سر بفلک درخت۔ سامنے دُور برف پوش پہاڑ۔ غرضیکہ ایسا کیف آور نظارہ ہے۔ کہ تمام عمر یاد رہتا ہے۔ انہی نظاروں کی خاطر تو لوگ مری کی راہ چھوڑ کر اس راہ سے جاتے ہیں۔ سبز پہاڑیوں کے دامن میں چشمے اُبلتے ہیں۔ رقص کناں لالہ زار قطعوں میں سے گذرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ نسیم رُوح پرور سے نہیں بلکہ ان چشموں کی نغمہ سرائی کے کیف سے سرور میں آکر پھولوں کی صف بہ صف محفلیں۔ سرو قد اشجار کی ٹولیاں سرشار ہو کر جھوم رہی ہیں یہ کیفیت شاہ کو بیخود بنا دیتی ہے۔ شاعر دیکھتا ہے اور بلبل کی طرح چہکتا ہے۔

؎
یہ وادیٔ و دمن و کوہسار کے منظر
یہ سبزہ و چمن و جوئبار کے منظر
یہ سرخ و زرد نئے موسم بہار کے پھول
یہ لالہ زار کے پھول اور بنفشہ زار کے پھول (حضرت اختر شیرانی)
یہ دلفریب سمے یاد رہنے والے ہیں
یہ جانفزو مناظر نہ ہٹنے والے ہیں

ٹنل سے کھنا بل۔ فاصلہ ۳۳ میل۔

یہاں سے اصلی وادی کشمیر کا آغاز ہوتا ہے۔ اب اترائی شروع ہوتی ہے شبنم آلود سبز وادیوں اور شاداب کنجوں میں سے سڑک معشوقانہ انداز سے بل کھاتی اترتی جاتی ہے۔ جوان تو جوان پیر نود سالہ دنیا مافیہا سے بے خبر ہو کر ہمہ تن نیچر و فدائے نیچر ہو جاتا ہے۔ لوگ سواریوں سے اتر پڑتے ہیں۔ اگر سیاح کا عالم شباب ہے تو بس پھر کیا۔ اس عہد عمر کی داستان ہی کچھ ایسی مخمور و وجدانی ہے کہ عہد پیری تک دل کو گرمائے رکھتی ہے۔ ؎

وہ حسرتیں جو آ نہیں سکتیں حساب میں
سرمایۂ نشاط ہیں عہد شباب میں (کنہیا لال ثاقب)

جوان ہمسن گلگشت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ انہیں ہر ایک چیز میں فطرت کی حسین صورت نظر آتی ہے۔ ایک ایک پھول ایک ایک کلی مست دکھائی دیتی ہے۔ واقعی اس مقام کی مستیاں نہایت ہی دلفریب

ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درخت۔ سبزیاں۔ ندیاں۔ پھول کلیاں۔ سب کی سب

ع ڈوبی ہوئی ہیں سر سے قدم تک شراب میں

آخر یہ دلچسپ مناظر طے کرتے اترائی اترتے۔ اپر منڈا کا ڈاک بنگلہ آجاتا ہے۔ پھر بھی سخت اترائی جاری رہتی ہے۔ کہیں تر اور کہیں خشک منظر پلیش نظر آتے ہیں۔ آگے ایک مقام پر نہایت چھوٹے زاویے پہ سڑک چکر کھاتی ہے۔ یہاں سڑک کے کنارے تختہ لگا ہوا ہے۔ اس پر انگریزی میں لکھا ہے "چشمہ ویری ناگ کی طرف" موٹر یا لاری کرنے سے پہلے ڈرائیور سے فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ ہم چشمہ ویری ناگ دیکھتے جائینگے یہ چشمہ نہایت مشہور و معروف ہے۔ دریائے جہلم اسی چشمے سے نکلتا ہے۔ اس کا مکمل بیان تو کشمیر کے چشموں کے بیان میں آئیگا۔ مگر سیاح کو متنبہ کر دیا جاتا ہے۔ کہ وہ ضرور اس چشمے کو ابھی دیکھ لیں اور یہاں کے باغات اور آبشار کی سیر لگے ہاتھوں کر لیں۔ کہ یہاں سے تو صرف دو چار میل کا فاصلہ ہے اور سرینگر سے پھر آ کر اسے دیکھنا بہت مہنگا پڑیگا۔ یہاں پرانی شاہجہاں اور جہانگیر کے وقتوں کی عمارات۔ باغ۔ بارہ دریاں ہیں۔ نہایت پُر منظر اور قابل دید مقام ہے۔

پھر آگے چلکر لوئیر منڈے کا ریسٹ ہوس آجاتا ہے۔ اترائی کم و بیش جاری رہتی ہے۔ اس سے ۸ میل پر قاضی گنڈ کا مقام آتا ہے۔ اب سڑک قریب قریب میدان میں پہنچکر ہموار ہو جاتی ہے۔ اس سے آگے

۹ میل کھنّابل کا مقام ہے۔ یہاں سری حضور مہاراجہ بہادر کا ریسٹ ہاؤس اور کیمپ ہے۔ اس سے ادھر میل بھر کے ٹپہ پر اسلام آباد یا اننت ناگ کا مشہور شہر ہے۔ تجارت کی بڑی منڈی ہے۔ پشمینے کا کام اور شالبافی کی اشیاء کے لئے مشہور ہے۔ یہاں کئی گندھک کے چشمے ہیں۔ ایک نو آبادی کے بعد مندریں اور دوسرا شہر ہیں۔ اسلام آباد سے کئی طرف سڑک نکلتی ہے۔ پہلگام۔ اچھابل کیلئے بھی اسی جگہ سے سڑکیں پھٹتی ہیں۔

اسلام آباد سے سرینگر۔ فاصلہ ۳۲ میل۔

اسلام آباد سرینگر سے زیادہ سرد ہے۔ کیونکہ عین پہاڑوں کے دامن میں واقعہ ہے۔ راستے بھر صاف پکی سڑک ہے جس کے دونوں طرف بلند و بالا سفیدے اور چنار کے درخت ہیں اور دُور دُور تک ہری کھیتیاں لہلہاتی نظر آتی ہیں۔ راستے میں بجبہاڑہ، اونتی پور (۱۷ میل) ایک مقام ہے جہاں دو پرانے مندر زمین کھود کر برآمد کئے گئے ہیں۔ جن میں سے قد آدم مٹی کے پختہ گھڑے بھی نکلتے ہیں۔ ان کا مفصل حال مندر کے باب میں آئیگا۔ اس سے آگے نکلکر ۸ میل پر پام پور کا پرانا قصبہ ہے۔ اس قصبے کے مضافات زمانہ سلف سے کشت زعفران کے لئے مشہور ہیں۔ اس کے قریب کچھ خاص قسم کے سُرخ سے پہاڑ ہیں جنکی اصل آتش فشاں پہاڑوں سے ملتی ہے۔ کچھ ان پہاڑوں کے اندرونی حرارت کے زور سے خاص موسم میں زعفران پیدا ہوتی ہے۔ وہ زمین

بھی شنگرف کی طرح سُرخ ہے - اس زمین میں سوائے زعفران کے اور کسی قسم کی کوئی چیز پیدا ہی نہیں ہو سکتی - اور جب زعفران پیدا ہو لے کے دن آتے ہیں تو زمین کی طاقت ملاحظہ ہو کہ بیس روز میں فصل زعفران طیار ہو جاتی ہے -

پام پور اچھا خاصہ قصبہ ہے - یہاں ایک پرانی خوشنما مسجد بھی ہے - وہاں سے چل کر ۹ میل طے کرنے کے بعد سرینگر آجاتا ہے -



باب ہفتم

تیسرا راستہ

جویلیاں۔ ایبٹ آباد۔ سرینگر

یہ راستہ بوجہ کم بلندیوں پر گذرنے کے تقریباً ہمیشہ بارہ مہینے کھلا رہتا ہے۔ جب سردیوں میں اور راستے برفباری کیوجہ سے رُک جاتے ہیں۔ تو ڈاک اسی راستے سے آتی جاتی ہے۔ مگر یہ راستہ نہ تو ایسا پُر لطف اور پُر منظر ہے۔ جیسے کہ راولپنڈی۔ مری یا جموں اسلام آباد کے راستے۔ عوام بہت کم اس راستے سے جاتے ہیں۔ اس راستے سے تو صرف وُہی لوگ جاتے ہیں جو اسطرف کے رہنے والے ہوں یا مری۔ جموں کا راستہ کسی وجہ سے رُک جائے جب۔ کشمیر میں جانے کا مقصد سیر ہے تو کیوں ایسے راستے سے نہ سفر کیا جائے جو دلکش مناظر قدرت قدم قدم پر پیش کرے۔ ان کے لئے مری اور جموں کے راستے نہایت عمدہ ہیں۔

اس راستے میں صرف اتنی بات ہے کہ عموماً سردیوں میں بھی یہ

راستہ برف سے محفوظ رہتا ہے۔ اور فاصلہ دیگر راہوں سے چند میل کم ہے۔ مگر قباحت یہ ہے کہ کرایہ موٹر وغیرہ اگر اسطرف سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں۔ اور اس جانب سے مسافروں کی قلّت کی وجہ سے موٹریں اور لاریاں بھی کم ملتی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ بھی ایک راستہ ہے۔ اور حویلیاں ایبٹ آباد۔ ہری پور ہزارہ کے علاقے کے باشندگان کے لئے بہتر ہے۔ اس لئے درج کیا جاتا ہے۔

حویلیاں این-ڈبلیو-آر کا سٹیشن ہے۔ وہاں سے اُتر کر موٹر کر لینی چاہیئے۔ یا تو اُدھر کشمیر تک یا اگر وہاں سے سیدھی سرینگر تک نہ ملے تو ایبٹ آباد سے موٹر یا لاری جس میں جانا منظور ہو کر لینا چاہیئے۔ حویلیاں سے ایبٹ آباد ۹ میل کا فاصلہ ہے۔ مانگتے روپیہ بارہ آنے سواری ہیں۔ مگر ۸ ریں لے جاتے ہیں۔ پھر ایبٹ آباد سے سرینگر۔ کرایہ تقریباً وہی ہے جو براہ مری کشمیر ہے۔ لیکن چونکہ محصول اس راہ میں صرف ایک روپیہ دس آنے بجائے دو روپیہ فی سواری ہوتا ہے اور فاصلہ بھی کم ہے۔ عموماً کم کرایہ پر بھی سواری کا بندوبست ہو جاتا ہے۔

حویلیاں سے ایبٹ آباد۔ ۹ میل۔ بلندی ۴۰۰۰ فیٹ سطح سمندر سے۔ ایبٹ آباد چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان ایک سرسبز و شاداب شہر ہے۔ فوجی چھاؤنی بھی ہے۔ اگر اس راہ سے جانے کا اتفاق ہو تو ہری پور ہزارہ جو ایک اچھا خاصہ قصبہ ہے اسکی سیر ضرور کرنی چاہیئے۔ نہایت سرسبز اور انواع واقسام کے پھلوں کے باغات

یہاں ہیں۔ اور گھن دار درختوں کی چھاؤں بہت پیاری معلوم ہوتی ہے۔ گھر گھر نہر جاتی ہے۔

ایبٹ آباد میں برف اکثر سردیوں میں پڑتی ہے۔ مگر اتنی نہیں کہ رستہ دنوں اور ہفتوں بند رہے۔ یہاں ایک عمدہ ڈاک بنگلہ اور دیسی شرفا کے ٹھہرنے کیلئے پرائیویٹ ہوٹل بھی ہے۔ کھانا عمدہ ملتا ہے۔ اس علاقے سے جانیوالوں کو "ہزارہ گزیٹیر" ضرور دیکھنا چاہئیے۔ نہایت پُرمعلومات کتاب ہے۔

مانسہرہ۔ ایبٹ آباد سے فاصلہ ۱۶ میل بلندی سطح سمندر سے ..

ایبٹ آباد سے نکل کر چڑھائی جاری رہتی ہے۔ موسم بہار میں یہاں کی سینری بھی لطف و فرحت سے خالی نہیں۔ لہلہاتے پھول زمردیں گھاس اور خوشگوار پانی کے چشمے۔ ندی۔ نالے بکثرت ہیں، چند میل کے بعد پھر اترائی شروع ہوتی ہے اور مانسہرہ آجاتا ہے۔ عمدہ فرحت بخش مقام ہے۔ ابھی تک سرکار انگریزی کا ہی علاقہ ہے۔ خوردنی و نوشیدنی ہر ایک چیز مہیا ہوسکتی ہے۔ ڈاک بنگلہ بھی ہے۔ یہاں ایک جھیل بھی ہے جس میں گرمیوں میں کنول اور خزاں میں بکثرت مرغابی وغیرہ کا شکار ملتا ہے۔

گڑھی حبیب اللہ۔ مانسہرہ سے ۱۹ میل کا فاصلہ ہے۔ بلندی سطح سمندر سے . . . . .

پہاڑیوں کے ارد گرد ہو کر چکر کھاتی ہوئی سڑک جاتی ہے۔ چڑھائی

ہے۔ اور ایک وسیع وادی میں سے گذر کر ایک درختوں سے بھری ہوئی پہاڑی بلندی پر پہنچکر نیچے اُتر جاتی ہے۔ اترائی دریا کے کنارے تک جاری رہتی ہے۔ اس کے کنارے تھوڑے فاصلے پر ایک ڈاک بنگلہ بھی ہے۔ گڑھی حبیب اللہ آخری سرکاری مقام ہے۔

دومیل۔ گڑھی حبیب اللہ سے فاصلہ ۱۴ میل ہے۔ بلندی سطح سمندر سے ۲۱۵۰ فیٹ۔

گڑھی سے میل ڈیڑھ میل آگے چلکر راجکوٹ آجاتا ہے۔ جو ریاست کشمیر کا پہلا قصبہ ہے۔ یہاں چھ آنے فی کس محصول فی سواری لیا جاتا ہے۔ بارہ سال تک کے بچے کا معاف ہوتا ہے۔ اگر لاری یا موٹر والا تقاضا کرے تو وہاں نوٹس بورڈ دیکھ لینا چاہیئے۔

دریا کے کنارے جسے نین سکھ ندی بھی کہتے ہیں اسے عبور کر کے اس کے بائیں کنارے سڑک ۸ میل تک چلی جاتی ہے۔ سینری خاصی ہے۔ اور پھر مظفرآباد جو ایک تاریخی شہرت کا قصبہ ہے آجاتا ہے۔ اور پھر ایک پہاڑ کے اوپر سے ہوکر کشن گنگا اور پھر جہلم کو بذریعہ پُل عبور کرتی ہوئی دومیل پہنچ جاتی ہے۔

دومیل سے آگے پھر وہی پُرانا مری والا راستہ ہے۔ یعنی چناری اوڑی۔ بارہ مولا سے سرینگر۔

باب ہشتم

شہر سرینگر اور اس کے قابل دید مقامات

شہر سرینگر تمام علاقہ ریاست میں نفیس و دلکش مناظر اور قابل دید مقامات و باغات کا گنجینہ ہے۔ یہ ایک پُر فضا وادی میں دریائے جہلم کے دونوں طرف نہایت خوشنما مقام پر آباد ہے۔ ریاست کشمیر کا دارالسلطنت اور سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی ڈیڑھ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ موسم گرما میں جبکہ سیاحوں کا زور ہوتا ہے۔ اس کی آبادی اور رونق بہت بڑھ جاتی ہے۔ سر ہری سنگھ بہادر راجہ کشمیر کے عہد حکومت سے شہر کی اندرونی حالت پہلے سے بہتر ہوتی جاتی ہے۔ مگر پھر بھی اندرون شہر بہت سے مقامات تنگ و تاریک اور گندے ہیں۔ عمارات رہائش زیادہ تر لکڑی کی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر آتشزدگی کے نہایت ہولناک واقعات پیش آجاتے ہیں۔ زیادہ تر آبادی مسلمانوں کی ہے۔ یہ لوگ طبعاً گندے اور اصول حفظان صحت سے قطعاً نابلد ہوتے ہیں۔ باوجود پانی کی اسقدر افراط ہے۔ مگر پھر بھی ہفتوں مہینوں نہیں نہاتے۔ اپنے میلے کچیلے فرن (لباس) میں ملبوس رہتے ہیں۔ مرد و عورت دونوں لمبے لمبے چوغے نما کُرتے پہنتے ہیں۔ اکثر زیر جامہ نہیں پہنتے۔ خوبصورتی طبقہ اناث میں ضرور موجود ہے مگر لباس کی کثافت اور صفائی کی قلت کی وجہ سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

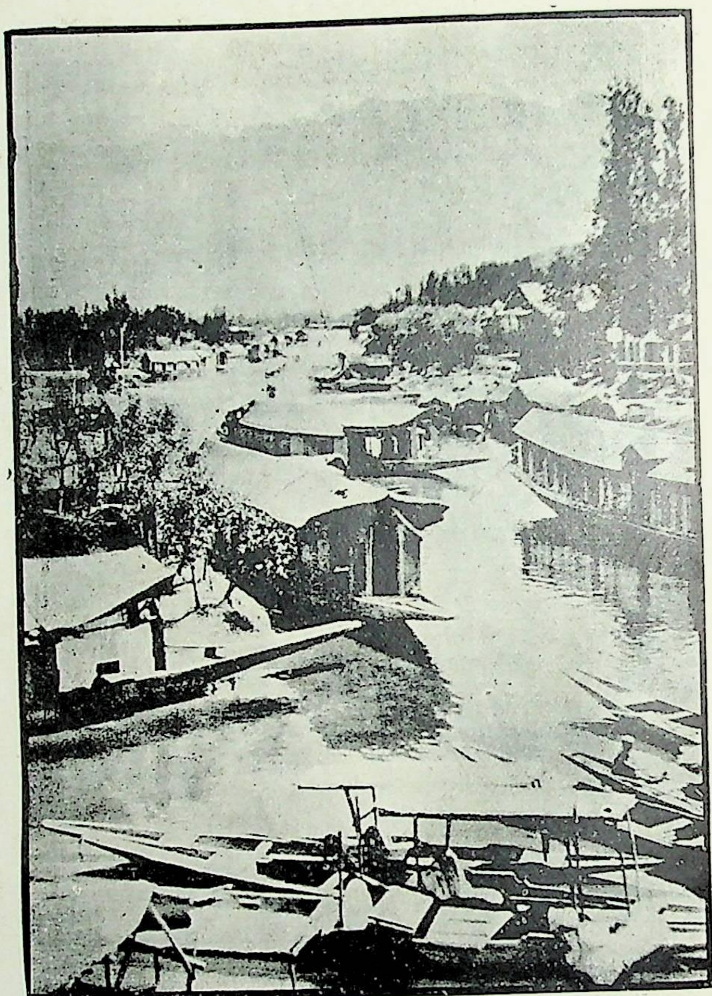
البتہ امراء اور شرفاء مسلمان اور ہندو دونوں قوموں کے اناث و ذکور غربا سے زیادہ صفائی پسند اور خوش پوش ہیں۔ خاصکر برہمن لوگ نہایت خوبصورت ہیں اور صاف رہتے ہیں۔ ان کے فرن باوجود فرن ہونے کے صاف ہوتے ہیں۔ برہمن عورتیں عموماً سبز ریشمی یا اونی فرن پہنتی ہیں۔

موسم سرما میں یہاں اکثر برف باری رہتی ہے۔ دسمبر۔ جنوری اور فروری۔ سخت سردی کے مہینے ہیں۔ تھرمامیٹر کا پارہ ۵ ادرجے تک آجاتا ہے۔ تمام میدان۔ دریا۔ ندی نالے یخ بستہ ہو جاتے ہیں۔ مارچ سے موسم بدلتا ہے۔ بہار قابل دید ہے۔ گرمیوں میں جولائی۔ اگست میں بہت گرمی ہوتی ہے۔ مگر وہ بھی اتنی نہیں کہ برداشت نہ ہو سکے۔ حرارت ۶۵ سے ۸۰ درجے تک رہتی ہے۔

ماکولات ہر ایک قسم کی مل سکتی ہیں۔ سبزی ترکاری تو اسقدر افراط سے اور ایسی لذیذ اور نفیس ہوتی ہے۔ کہ ہندوستان بھر میں ایسی نہیں ہوتی۔

دریائے جہلم شہر کے بیچوں بیچ بہتا ہے۔ اس پر سات پُل نہایت خوبصورت اور مضبوط بنے ہوئے ہیں۔ اور بعض تو بہت ہی پرانے اور تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ (کدل کشمیری زبان میں پُل کو کہتے ہیں)

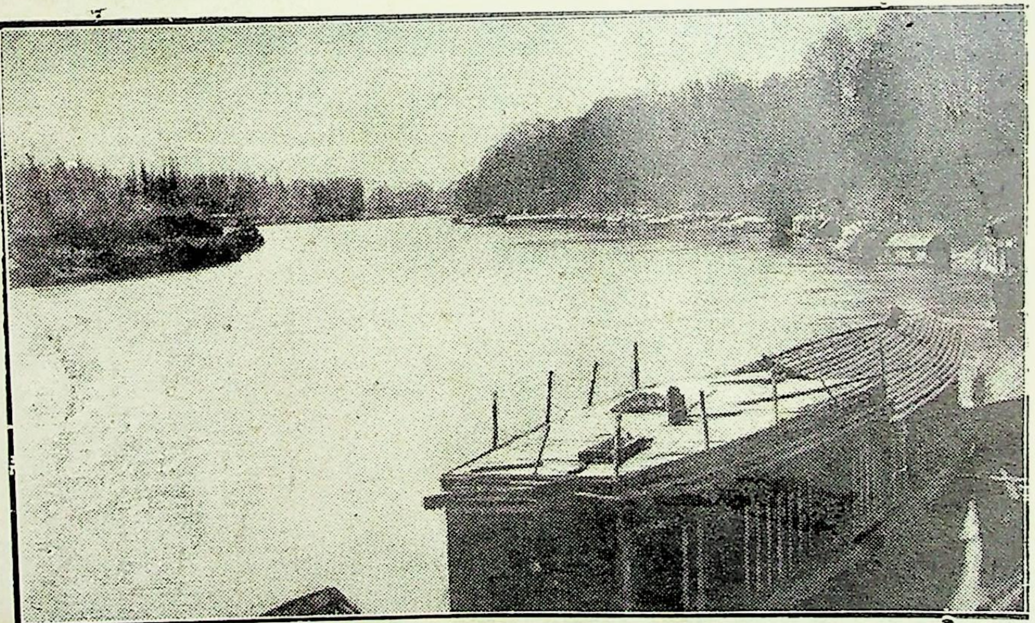
(۱) امیراکدل ۔ اسے سردار امیر خاں جوان شیر نے پہلے پہل



موسم سرما میں سرینگر کی ھوس بوٹ کا منجمد دریا میں نظارہ

"THE NEW UNION" PRESS, LAHORE.

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri



سرینگر بند سے دریائے جہلم کا نظارہ

THIS PHOTO: BY MAHATTA & CO.,
SIRINAGAR.

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

۱۷۷۲ء میں بنوایا تھا۔ موجودہ پل مہاراجہ پرتاب سنگھ آنجہانی نے تعمیر کروایا ہے۔

(۲) حبہ کدل = اسے سلطان حبیب خاں آخری کشمیری بادشاہ نے ۱۵۵۴ء میں تعمیر کروایا۔

(۳) فتح کدل = اسے سلطان فتح شاہ بادشاہ کشمیر نے ۱۴۶۰ء سے لیکر ۱۵۱۷ء تک مختلف اوقات میں تعمیر کروایا۔

(۴) زینہ کدل = اسے سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ نے ۱۴۲۳ء لغایت ۱۴۷۴ء تک کئی بار بنوایا۔

(۵) عالی کدل = اسے سلطان عالی شاہ نے ۱۴۱۷ء میں بنوایا۔

(۶) نیا کدل =

(۷) صفا کدل = اسے ملک سیف ڈار وزیر فتح شاہ نے ۱۴۷۰ء میں تعمیر کروایا۔

ان سب میں سے امیرا کدل کا پُل اپنی خوبصورتی اور آمد و رفت کی کثرت کی وجہ سے زیادہ مشہور ہے۔ اس پُل کے نام سے اس کے پاس کا بازار موسوم ہے۔ اور سرینگر کے بازاروں میں سب سے بہتر بازار ہے۔ ۱۹۲۸ء کے طوفان عظیم میں جبکہ دریا کا پانی بند کے بالکل سطح کے قریب پہنچ گیا تھا۔ بلکہ کئی مقامات پر تو شہر کے اندر گھس آیا تھا۔ اس پل کو بہت خطرہ تھا۔ مگر وہ آفت کا زمانہ خیر و خوبی سے گذر گیا پُل صحیح و سلامت رہا۔

شہر سرینگر میں اب بہت سی عمارات نئی وضع اور حفظان صحت کے اصولوں پر پختہ اینٹوں کی تیار ہوگئی ہیں۔ اور دھڑا دھڑ ہو رہی ہیں۔ اندرونی آبادی کے علاوہ دُور دُور باغوں پہاڑیوں کے دامن۔ اور فرحت افزا مقامات پر شہر کے متمول لوگوں نے اپنی رہائش اور سیاحوں کو کرایہ پر دینے کیلئے نہایت خوبصورت اور خوشنما بنگلہ جات بنوائے ہوئے ہیں۔ جس سے سرینگر کی آبادی اب دور تک پھیل گئی ہے۔ ڈل کے کنارے قصبہ درو گجن جو مضافات سرینگر میں شمار ہوتا تھا۔ اب تقریباً سرینگر سے ملحق ہو کر اس کا ایک محلہ ہوگیا ہے۔ اگر اسی طرح امن چین اور مہاراجہ بہادر کی چشم التفات رہی اور لوگ تعلیمیافتہ ہوتے گئے تو وہ دن دُور نہیں کہ سرینگر واقعی ایک نہایت خوبصورت اور مصفا شہر ہو جائیگا اس شہر میں ایک خوبی یہ ہے کہ اس کے ہر ایک قابل دید مقام پر آپ بذریعہ سڑک اور بذریعہ کشتی دونوں طرح سے جا سکتے ہیں۔ شکارے والے نہایت مستعدی سے اور قلیل اُجرت پر ہر ایک جگہ لیجائیں گے۔ کشتی میں بیٹھکر دریائے جہلم میں سے ہفت کدل کی سیر۔ شہر کی پُرانی منقش چوبی عمارات۔ مساجد۔ منادر۔ شاہی محلات کا نظارہ نہایت دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ ہانجی لوگ یعنی ملاح آپکی توجہ ہر ایک قابل دید مقام کی طرف منعطف کر کے اس کی تاریخی اہمیت چند مختصر اور محدود اُردو الفاظ میں بیان کرینگے۔ اردو زبان تقریباً ہر ایک شخص مرد و عورت بقدر ضرورت سمجھ اور بول لیتا ہے۔ واقعی یہ اردو زبان کو ہی شرف حاصل ہے کہ کشمیر سے

لیکر راس کماری تک اور بمبئی سے لیکر کلکتے تک جہاں آپ کا جی چاہیے چلے جائیے۔ آپکا گذارہ بخوبی چلسکتا ہے۔ کوئی تکلیف نہ ہوگی۔

رہائش کے لئے امیرا کدل کے ارد گرد ہندو مسلمان سیاحوں کی رہائش کیلئے متعدد مقامات ہیں۔ جن کا ذکر باب چہارم میں آچکا ہے۔

سرینگر میں بہت سے قابل دید مقامات ہیں جن میں اکثر تاریخی اور تجارتی اہمیت رکھتے ہیں۔

باغات۔ منشی باغ (۲) چنار باغ (۳) صنوبر باغ (۴) ہری باغ (۵) باغ دلاور خاں۔ (۶) حضوری باغ۔

عمارات۔ جامع مسجد (۲) علی مسجد (۳) مندر شنکر اچاریہ یا تخت سلیمان (۴) کارخانہ ریشم بافی (۵) ہری پربت کا قلعہ (۶) حضرت بل (۷) عجائب گھر (۸) مسجد شاہ ہمدان (۹) مندر پنڈت رام جو (۱۰) عید گاہ (۱۱) شاہی محلات و شیر گڑھی (۱۲) مہاراج گنج یا نیا بازار (۱۳) امیرا کدل کا بازار۔ (۱۴) پبلک لائیبریری واقعہ عجائب گھر۔ (۱۵) ڈل کا نظارہ۔ تیرتی ہوئی کھیتیاں۔ کنول کے باغ۔ (۱۶) مشن ہسپتال (۱۷) پرتاب کالج (۱۸) چھتہ بل ویر۔

جامع مسجد۔ یہ مسجد زینہ کدل اور ہری پربت کے درمیان شہر میں مہاراج گنج کے قرب میں واقعہ ہے۔ اور واقعی ایک نہایت عالیشان مسجد اور فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔ وسعت سقف اور عمارت کی ساخت کے لحاظ سے یہ مسجد بلا ترد دید دہلی۔ آگرہ اور لاہور کی جامع مسجدوں پر

فوقیت رکھتی ہے۔

اس کا بانی سلطان سکندر شاہ تھا۔ بنائے عمارت ۱۳۹۸ء میں ہوئی۔ لیکن ۱۴۶۲ء میں آتشزدگی سے تباہ ہوگئی۔ لیکن سلطان محمد شاہ نے پھر ۱۴۷۳ء میں اسکی مرمت کروا کے از سر نو تعمیر کر دیا۔ ازاں بعد پھر ۱۶۲۰ء میں نذر آتش ہوئی۔ بادشاہ جہانگیر خود اسوقت وہاں موجود تھا۔ پھر اس کی تعمیر حیدر ملک چاہ ڈوری نے ۱۷ سال میں شاہ کے حکم سے کروائی۔ تیسری مرتبہ ۱۶۶۵ء میں یہ مسجد اور دیگر عمارات آگ سے جلکر تباہ ہوگئیں۔ اسدفعہ شاہ اورنگ زیب کا عہد حکومت تھا۔ اس نے اسی سال میں اس کی از سر نو تعمیر کی اور ایسی پختہ عمارات بنوائی کہ آج تک باوجود ڈھائی تین سو برس گذر جانے کے اسی طرح قائم ہے اور مغلیہ خاندان کی پختگی تعمیر کی ایک زندہ مثال ہے۔ البتہ ۱۹۱۶ء میں اسکی کچھ مرمت کی گئی تھی۔ اورنگ زیب نے اس کے اردگرد کے مکانات خرید کر میدان کر دیا تھا تاکہ آتش زدگی سے مسجد محفوظ رہے۔

یہ عمارت نہایت عالیشان اور نہایت وسیع ہے۔ اسکی سیر جمعہ کے روز کرنی چاہیئے جبکہ نمازیوں کے اژدہام سے خاص رونق ہوتی ہے۔ اس کا رقبہ ۱۲۵ گز × ۱۲۵ گز مربعہ ہے۔ دیکھنے کے قابل اس کے عظیم دیودیار کے دیوہیکل ستون ہیں۔ جنپر اس کی چھت کھڑی ہے۔ بعض تو ان میں سے ۷۰ فیٹ بلند ہیں۔ تعداد ستون ۳۷۸ ہے۔ اس کے چاروں کونوں پر چار مینار ہیں۔ جو سرینگر کے ہر بلند مقام پر سے صاف

دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے آگے شاہان سلف کی چند قبریں ہیں تین طرف نہایت عالیشان پھاٹک ہیں۔

مسجد شاہ ہمدان۔ یا خانقاہ معلیٰ۔ یہ مسجد دریا کے دائیں طرف چوتھے پل کے پاس واقعہ ہے۔ نہایت خوبصورت عمارت ہے۔ لطف یہ ہے کہ جملہ عمارت چوبی ہے۔ اینٹوں کی طرح لکڑی کے ٹکڑے کاٹ کر عمارت بنائی گئی ہے۔ اندر لکڑی پر خوبصورت کھدائی کا کام ہے۔ ایک عالیشان گنبد ہے جس میں زیارت کا ایک طلائی کلس بہت بلند آویزاں ہے۔

پتھر مسجد۔ ذرا آگے بڑھکر دریا کے بائیں جانب پتھر مسجد ہے۔ اس کی بانی ملکہ نور جہاں ہے۔ نہایت سنگین اور خوبصورت عمارت ہے۔ یہ سکھوں کے زمانے سے لیکر اب تک غلہ کے گدام کا کام دیتی رہی ہے۔

عیدگاہ اور علی مسجد۔ مہاراج گنج کے شمال مغرب میں واقعہ ہے۔ پندرہ بیس منٹ کا راستہ ہے۔ عیدگاہ ایک وسیع احاطہ ہے۔ جہاں عیدین کی نماز کے علاوہ شہر کے اکثر میلے منعقد ہوتے ہیں۔ اس کے ایک کونے میں علی مسجد واقع ہے۔ یہ ایک خوبصورت مسجد ہے۔ اس کی مرمت کچھ عرصہ ہوا ریاست کی طرف سے کی گئی تھی۔ یہ پندرھویں صدی عیسوی کی عمارت ہے۔

بازار امیرا کدل۔ یہ بازار دریائے جہلم کے دونوں طرف ہے۔

بہت پُر رونق ہے۔ کپڑے کی بڑی بڑی دوکانیں۔ اور دیگر میوہ فروشوں اور بڑے بڑے سوداگروں کی دوکانیں ہیں۔ اس کی بغل میں ایک طرف سٹیٹ ہاسپٹل ہے جہاں ریاست کی طرف سے پبلک کا مفت علاج ہوتا ہے۔ پُل کے سامنے بائیں ہاتھ شاہی محلات برلب دریا ایک مجموعہ عالیشان عمارات کا ہے۔ اس کے سامنے دریا ہیں۔ مہاراجہ کے بجرے اور کشتیاں لنگر انداز ہیں۔ دائیں طرف رانجو کا مندر ہے۔

عجائب گھر دریا کے دائیں طرف واقع ہے۔ لاہور جتنا بڑا نہیں۔ مگر پھر بھی عمدہ اور قابل دید ہے۔ پرانے بُت۔ قدیم سکے۔ برتن۔ کشمیری صنعت و حرفت کے نمونے۔ ریاست کے جنگلی جانور اور باشندگان کشمیر کے مختلف افراد کے قد آدم مجسمے دیکھنے کے قابل ہیں۔ یہاں کشمیر کے چند مشہور مقامات کے فوٹو بھی آویزاں ہیں۔ مختلف چٹانوں اور طبقۃ الارض کے پتھر علیحدہ علیحدہ رکھے ہوئے ہیں۔ عجائب گھر کی پشت کی طرف پبلک لائبریری ہے۔ جہاں پنجاب اور ہندوستان اور ولائتی روزانہ ہفتہ وار اخبارات اور رسالوں کے علاوہ بہت سی مفید اور بیش قیمت کتابیں بھی ہیں۔ عجائب گھر جمعرات کو بند رہتا ہے۔ باقی دنوں میں کھلا رہتا ہے۔

بازار مہاراج گنج یا نیا بازار۔ یہ زینہ کدل کے پاس واقع ہے یہاں بڑے بڑے سوداگروں کی دوکانیں ہیں۔ کپڑا اونی اور ریشمی

برتن - فرنیچر - سلاجیت - زعفران - مشک وغیرہ سب قسم کی دوکانیں ہیں - بہت پُر رونق بازار ہے - تجارت کی بڑی منڈی ہے - بس یہی دو بازار سرینگر میں قابل ذکر ہیں -

کارخانہ ریشم بافی - ریشم بافی اور شالبافی کشمیریوں کا بہت پُرانا ہُنر ہے - یہ کارخانہ لال منڈی یعنی عجائب گھر سے ۱۵ منٹ کے رستے پر جانب جنوب شوپیان روڈ پر واقعہ ہے - نہایت عظیم کارخانہ ہے - کلیں بجلی کی طاقت سے چلائی جاتی ہیں - سیاح ہر صبح کو یہ کارخانہ دیکھ سکتے ہیں - اسمیں تقریباً چار ہزار مرد وزن اور بچّے کام کرتے ہیں - ۱۸۹۷ء سے یہ ایک انگریزی افسر کی نگرانی میں ہے - ہزاروں من ریشم سالانہ طیار کر کے دساور کو بھیجا جاتا ہے - یہ صنعت روز بروز ترقی پذیر اس صنعت کی بدولت لاکھوں غربا پلتے ہیں - ہر ایک سیاح کو یہ کارخانہ ضرور دیکھنا چاہیئے - کوئی بندش نہیں -

ہری پربت - اسے کوہ ماراں بھی کہتے ہیں - یہ قلعہ ایک چار سو فٹ بلند ٹیلے پر واقعہ ہے - شہنشاہ اکبر کے زمانے کی یادگار ہے اس قلعہ اور اسکی عمارات اور باغات جواب منہدم ہو گئے ہیں کی طیاری پر سوا کروڑ روپیہ خرچ آیا تھا اور دس سال میں تعمیر ہوا تھا - اس کے دیکھنے کیلئے معتمد دربار سے پاس حاصل کرنا پڑتا ہے - اس میں پرانی عظیم جسامت کی مٹی اور پتھر کی عمارات ہیں - یہاں تین بار دن رات میں مقررہ اوقات پر توپیں سر کی جاتی ہیں - دوپہر کو بارہ بجے رات

کے ۹ بجے۔ صبح ۴ بجے)
اس پر چڑھکر ارد گرد کا نظارہ خوبصورت و دلفریب دکھائی دیتا ہے قلعہ کی چار دیواری کے اندر زیارت مخدوم صاحب اور نیچے ہر دیوی اور شاردا دیوی کے استھان ہیں جو اہل ہنود کی متبرک عبادتگاہیں ہیں۔ خود مہاراجہ صاحب بھی درشنوں کو آتے ہیں۔
تخت سلیمان یا شنکر اچاریہ کا مندر۔ یہ مندر دُور دُور سے نظر آتا ہے۔ تقریباً سرینگر میں ہر ایک مقام سے دکھائی دیتا ہے۔ اس پر چڑھنے کے تین راستے ہیں۔ ایک تو قصبہ درو گجن میں مشن ہسپتال کے پاس سے۔ دُوسرا گپکار روڈ کی طرف سے اور تیسرا سیدھا۔ لوگ باگ دن بھر اُترتے چڑھتے رہتے ہیں۔ یہ سطح سرینگر سے ۱۰۰۰ فیٹ بلند ہے۔ چڑھائی آسان ہے۔ چوٹی پر چڑھکر شنکر اچاریہ کا مندر ہے۔ جس پر چاروں طرف بجلی کے لیمپ اور چوٹی پر ایک تیز روشنی کا لیمپ آویزاں ہے۔ رات بھر یہ لیمپ جلتے رہتے ہیں۔ روایت ہے کہ اس مندر کو راجہ اشوکا کے پسر جالوکا نے دو ہزار سال ہوئے بنایا تھا۔
اوپر چڑھکر ارد گرد کا دُور دُور تک کا نظارہ نہایت فرح بخش معلوم ہوتا ہے۔ جھیل ولر۔ ڈل۔ دریائے جہلم اور دُور دُور کے برف پوش پہاڑ نانگا پربت کی ۲۶۹۰۰ فیٹ بلند برف پوش چوٹی وغیرہ دکھائی دیتے ہیں۔ شہر بالکل قدموں سے لگا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ہر ایک سیاح کو ضرور بالضرور اس پر چڑھکر یہاں کا قابل دید نظارہ دیکھنا چاہیئے۔

قلم اس دلچسپی کے اظہار سے قاصر ہے۔

اس مندر کے بغل میں چوٹی پر ایک مسلمانوں کے پیر کی قبر اور ایک سنگین تالاب تھا۔ جس کے نشان ابتک وہاں پڑے ہیں۔ اس مندر میں سوائے اہل ہنود کے اور کسی کو جانے کی اجازت نہیں۔ ہاں اگر پجاری کو ایک دو روپیہ اس مطلب کیلئے دے دئے جائیں تو وہ غیر ہنود کو بھی اندر سے دکھا .... دیتے ہیں۔ اس کے اندر شولنگ کی مورتی ہے۔

نوٹ: شنکراچاریہ کی پہاڑی سے اُتر کر گپکار روڈ سے جو سڑک مشن ہسپتال کو جاتی ہے۔ وہاں برلب سڑک ایک مشہور مندر "درگا ناگ" ہے۔ اس کے اندر ایک چشمہ ہے۔ اس میں اہل ہنود نہاتے ہیں۔ اس کے سامنے نالہ مار پر گھاٹ ہے۔ اس کا نام دُرگا گھاٹ ہے۔

جھیل ڈل کا نظارہ۔ شہر سرینگر میں سب سے بہتر اور عمدہ نظارہ جھیل ڈل کی سیر کا ہے۔ علے الصباح شکارہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے لئے کرایہ* کر کے جس کا کرایہ ۴ر – ۸ر سے زیادہ نہیں دینا چاہئے۔ اور تمام دن کیلئے روپیہ ڈیڑھ روپیہ۔ ڈل کی سیر کرنا ایک نہایت پُر لطف اور دلفریب نظارہ ہے۔ ڈل ایک موتی جیسے شفاف پانی کی

* شکارے کا کرایہ ملاحوں کی تعداد پر منحصر ہے جتنے زیادہ ہونگے اتنا کرایہ زیادہ مانگینگے۔ اور بخشیش جو یہ کرایہ کے علاوہ مانگتے ہیں۔ اس کا فیصلہ پہلے ہی کر لینا چاہئے۔

جھیل ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ ایک چھوٹی ڈل اور ایک بڑی ڈل۔ پانی نہایت صاف کہ تہ نظر آتی ہے۔ اور گہرائی بہت زیادہ ہے۔

ڈل گیٹ یا مار نالہ سے شکارہ کر کے علی الصباح اس مقام پر جانا چاہیئے۔ جہاں کنول کے پھول بے انتہا کھلے ہوئے ہیں۔ رات کی شبنم اور صبح کی سورج کی ترچھی شعاعیں جب ان پر پڑتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سطح آب پر ہزاروں چراغ جگمگ جگمگ کر رہے ہیں۔ ارد گرد کی سر بفلک پہاڑیوں کا نظارہ نہایت دل خوش کن ہے۔ انہیں کنول کی کشت کے پاس تیرتی ہوئی کھبتیاں ہیں۔ زمیندار چند لکڑی کے تختوں پر گھاس پھوس اور مٹی باندھکر سبزی ترکاری بو دیتے ہیں۔ اور ڈل میں چھوڑ دیتے ہیں۔ قدرت خود پرورش کرتی ہے۔ بعض زمیندار ایک دوسرے کی کھیتی کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہاں یہ عام مشہور ہے کہ زمین چوری ہو گئی۔

ڈل کے کنارے اعلےٰ درجے کی ہاؤس بوٹ۔ ڈونگے وغیرہ اس طرح لگے ہوئے ہیں گویا یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک پانی کی سڑک کے دونوں طرف نفیس مکانات کھڑے ہیں۔ بالکل شہر وینس کا نقشہ معلوم ہوتا ہے۔ ڈل بہت دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ ڈل کے ذریعے آپ چنار باغ۔ نسیم باغ حضرت بل سے لیکر چشمہ شاہی۔ نشاط باغ اور شالا مار باغ تک کی سیر کر سکتے ہیں۔

شہر سرینگر میں عمارتی قابل دید مقام سوائے مہاراجہ کے

محلّات کے اور ایسے نہیں کہ اُن کا دیکھنا ضروری ہو۔ دنیا میں اور خاصکر ہندوستان میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر نفیس اور عمدہ عمارات ہیں۔ مگر ہاں صبح شام دریائے جہلم اور ڈل کا کشتی کا نظارہ ایسا دلچسپ ہے کہ ہندوستان تو کیا دنیا میں کہیں میسّر نہیں ہو سکتا۔

دریا کے پہلے پل سے لیکر چھتہ بل ویر تک چلے جائیے۔ یہ معلوم ہوگا شہر وینس کی سیر ہو رہی ہے۔ البتہ مکانات اور عمارتیں وینس جیسی نہیں۔ مگر ان کی وضع قطع ضرور ایک تاریخی اہمیّت رکھتی ہیں۔ پرانی وضع کے لکڑی کے منقوش مکانات۔ بالاخانے۔ مساجد۔ منادر کا نظارہ بہتے ہوئے پانی میں دکھائی دینا ایک سیّاح کیلئے کچھ کم نظر افروز نہیں کشتی پر بیٹھے ہوئے متعدد گھاٹوں کا نظّارہ جہاں مختلف حسینانِ کشمیر کا جمگھٹا لگا ہو۔ کسی حد تک دلچسپ ہوتا ہے۔

پانی کی سیر چھوڑ کر پھر ارد گرد کے میووں سے لدے پھندے باغات میں گلگشت کرنا بھی کافی دلچسپی پیدا کرتا ہے۔ رات کی دلچسپی کیلئے سرینگر میں امپیریل بنک کے قریب ایک مختصر سا سینما بھی ہے جہاں اکثر اچھے اچھے کھیل اہالیان کشمیر اور سیاحوں کی دلچسپی کے لئے کئے جاتے ہیں۔ تھیٹر البتہ کوئی نہیں۔ مگر کشمیر خود ایک دُنیا کی سب سے بڑی تھیئٹر گاہ ہے۔ دن کی سیر سے آدمی اسقدر تھک جاتا ہے کہ رات کی سیر کی اسے ضرورت ہی نہیں۔ جو قدرتی مناظر اور سینریاں یہاں سیّاح کو نظر آتی ہیں۔ کیا کوئی آرٹسٹ پردے پر کھینچیگا؟

نیڈو ہوٹل کے عقب میں چنار باغ کی گھنی چھاؤں جون جولائی میں نہایت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ سامنے ایک نہر جاتی ہے جو ڈل کو دریا سے ملحق کرتی ہے۔ منشی باغ ڈل کے کنارے عموماً انگریزوں کا کیمپ گراؤنڈ ہے۔ باغوں کا کیا ذکر۔ گھر بگھر باغات ہیں۔ گلی گلی پانی ہے۔

آب رسانی کا انتظام نہایت عمدہ ہے۔ جھیل ہارون سے پانی شہر میں لایا جاتا ہے۔ مگر عموماً کشمیری دریا اور ڈل ہی کا پانی پی لیتے ہیں۔ بوجہ ناواقفیت وہ عمدہ اور گندے پانی میں تمیز نہیں کر سکتے۔ ہمیشہ نلکے کا پانی استعمال کرنا چاہیئے۔ گرمیوں میں شہر میں قدرتی برف کے ڈلے پانی ٹھنڈا کرنے کیلئے بکتے ہیں۔ مگر اس کی چنداں ضرورت نہیں۔ پانی خود ہی کافی ٹھنڈا ہوتا ہے۔

امر سنگھ ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ۔ (صنعت و حرفت کا سکول)

یہ عالیشان سکول حضوری باغ میں امیرا کدل کے قریب ہی واقع ہے۔ اجازت حاصل کر کے یہ سکول اور اس کی جملہ ساختہ اشیاء دیکھی جا سکتی ہیں۔ نہایت خوبصورت اور اعلےٰ درجے کی کشمیری صناعی کے نمونے یہاں رکھے ہیں۔ لکڑی پر کھدائی۔ مٹی۔ پتھر۔ انجنیئری کے متعلق بہت سی قابل دید اشیاء کا یہاں ذخیرہ ہے۔

چھتہ بل وئیر (Weir) یہ نوکدل کے آگے دریائے جہلم کا پانی روکنے کیلئے بنایا گیا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ دریائے جہلم

کی پانی کی سطح شہر میں اسقدر بلند رہے کہ شہر کے اندر جو بیشمار ندی۔ نالے نہریں اور باغات ہیں انمیں افراط سے پانی رہے۔ اگر ہاؤس بوٹ یا ڈونگے کشتیوں نے اسے عبور کر کے جانا یا اندر آنا ہو تو اس کیلئے دو دروازے ہیں۔ ہاؤس بوٹوں کو اس جگہ سے گذارنے کا طریقہ نہایت دلچسپ ہے۔ ایک ایک کر کے کشتیاں نکالی جاتی ہیں۔ رات کو دس بجے پھاٹک بند کر دیتے ہیں۔

نسیم باغ اور حضرت بل۔ کشمیر یوں تو سرتا بہ قدم باغ ہی باغ ہے۔ اور سرینگر میں بھی گلی گلی پھل اور پھولدار باغ باغیچے ہیں مگر ان میں نسیم باغ نہایت فرح بخش اور ایک تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ اسے اکبر اعظم نے تعمیر کروایا تھا۔ بذریعہ شکارا براہ ڈل بھی جا سکتے ہیں۔ اور ڈل دروازے والی سڑک سے بھی جا سکتے ہیں۔

باغ نہایت وسیع ہے۔ مگر پرانی روشیں اور فوارے مفقود ہیں۔ البتہ چنار کے گھنے درخت اور مہادیو پربت کی برف پوش چوٹی کا نظارہ نہایت پُر لطف معلوم ہوتا ہے۔ سامنے جھیل کے بیچ میں ایک مصنوعی جزیرہ موسومہ چار چنار چالیس گز مربع واقعہ ہے اس میں کھڑے ہو کر پانی کی سیر نہایت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ کشتی والے روپیہ سوا روپیہ آنے جانے کا لیتے ہیں۔ دو تین آدمی اس کرایہ میں جا سکتے ہیں۔

نسیم باغ سے ذرا پہلے حضرت بل ایک مقام آتا ہے۔ یہاں

ایک مسجد ہے۔ جس میں کہتے ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موئے مبارک موجود ہے۔ جسے خاص خاص موقعوں پر لوگوں کو دکھایا جاتا ہے۔ لوگ ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے یہاں آکر اپنی صوری و معنوی مشکلات کے چارہ جو ہوتے ہیں۔ سال میں کئی بار میلے ہوتے ہیں۔ اور لاکھوں آدمیوں کا اژدہام ہوتا ہے۔

سرینگر کی مقامی سیر تو صرف اسی قدر ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے عمارات کے نفاست کے لحاظ سے نہیں بلکہ قدرتی مناظر کے لحاظ سے یہ شہر اور اس کے گرد و نواح مشہور ہیں۔ اور جو لوگ ......

ع "حسن کشمیر ہے مشہور میان آفاق"

کا دلخوش کن خیال اپنے ارمانوں بھرے دل میں لیکر عیش رانی کیلئے کشمیر آتے ہیں انہیں گونہ مایوسی کا سامنا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں کے لوگ عام طور پر شریف بیحد سیدھے سادے ہیں۔ جن کا حسن و خوبصورتی۔ میل و کثافت میں ملبوس ہے۔ شرفاء شکیل و جمیل ضرور ہیں۔ مگر ہندو مسلمان پردہ پوش۔ بیہودہ لوگوں کی نظر بد سے محفوظ۔ اور طبعاً نہایت حیا پرور اور عالی اخلاق رکھتے ہیں۔

پری جمال زاہد فریب صورتیں ضرور نظر آتی ہیں۔ جن کی آنکھیں شباب کے نشۂ پُر کیف سے مخمور تو ہیں مگر سخنگو نہیں۔ حسن دلفریب اور ایمان شکن ضرور ہے۔ مگر انمیں تمنا پرور ادائیں۔ بے پناہ لگاوٹیں۔ زہرہ پاش تبسم۔ موجود نہیں۔ کسی قسم کی خلاف اخلاق و آوارگی مزاج

کاشائبہ تک نہیں۔ ہوس پرستوں کو نیچر پرست ہو کر۔ قدرتی مناظر کی سیر پر ہی اکتفا کر کے روحانی اور جسمانی سرور حاصل کرنا چاہیئے۔ ورنہ آوارگی میں یکے نقصان مایہ ودیگر شماتت ہمسایہ کا احتمال ہے۔ عاقل کو اشارہ کافی ہے۔



باب نہم

سرینگر کے باہر قابل دید مقامات

کشمیر مگو رشک پری خانۂ چین است

الغصہ بہشت است کہ بر روئے زمین است

یُوں تو کشمیر میں ہر ایک جگہ اور ہر ایک مقام کی سبزی اور بہار "دامن دل می کشد" کے مصداق ہے مگر خاص خاص مقامات کی دلبستگیاں نیچرل خوبصورتی۔ میوہ جات کی افزائش۔ تاریخی اہمیت۔ یا مذہبی عقیدت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتی ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر سلسلہ وار کیا جاتا ہے۔ بعض مقامات تو سرینگر کو ہیڈ کوارٹر بنا کر دیکھے جا سکتے ہیں اور بعض مقامات اسلام آباد کو Base بنا کر سہولیت اور لطف سے بخوبی دیکھے جا سکتے ہیں

سرینگر میں رہکر ذیل کے مقامات:۔

(۱) پری محل۔ چشمہ شاہی۔ نشاط باغ۔ شالامار باغ۔ جھیل ہاروں۔

(۲) پام پور۔ اونتی پورہ کے مناور۔ چشمۂ گندھک اوپان یا اوی۔

(۳) گاندھربل ۔ سونامرگ ۔
(۴) جھیل وُلر کی سیر ۔
(۵) گلمرگ الپتھر ۔

وہ مقامات جو اسلام آباد کے قُرب وجوار میں ہیں :۔
(۶) اسلام آباد ۔ اچھابل ۔ کُکڑ ناگ اور ویری ناگ کے چشمے ۔
(۷) اسلام آباد ۔ مٹن ۔ عیش مقام ۔ پہلگام ۔
(۸) پہلگام ۔ شیش ناگ ۔ پنج تارنی ۔ امرناتھ ۔ کہلائی گلیشئر

(۹) اِن کے علاوہ بیشمار گندھک اور فولاد کے اور دیگر ہاضم چشمے ۔ باغات ۔ سربفلک بلندیوں پر زرخیز میدان ۔ اہل ہنود اور مسلمانوں کی متعدد زیارتگاہیں خطۂ کشمیر میں واقع ہیں ۔ اگر ہر ایک کو بالتفصیل بیان کیا جائے تو ایک ضخیم دفتر چاہیئے ۔ مگر ان کا حال مختصراً بیان کر دیا جائیگا ۔ تاکہ ہر ایک نقطۂ خیال کے سیاح کیلئے مفید ہو ۔



فصل اوّل

سرینگر سے باہر کی پہلی سیر

(چشمہ شاہی۔ نشاط باغ۔ شالا مار باغ۔ اور ہارون جھیل)

یوں تو باغبان قدرت کے دست گلکار نے خطّۂ کشمیر میں دنیاوی جنت کا نہایت خوبی سے نقشہ کھینچ دیا ہے۔ کہ جگہ بجگہ آبشار۔ آب جو۔ باغات۔ سبزہ و ریحان۔ لالہ زار وادیاں موجود ہیں۔ مگر اس پر حضرت انسان نے اپنی کاریگری کرکے اس کی رونق کو دو بالا کر دیا ہے۔

یہ چاروں مقامات ایک سڑک پر واقعہ ہیں۔ گپکار روڈ سے سڑک۔ چشمہ شاہی۔ نشاط اور شالامار باغات اور جھیل ہارون کو جاتی ہے۔ بذریعہ ٹانگہ۔ موٹر۔ لاری یا بذریعہ شکارا ان مقامات کو دیکھا جا سکتا ہے۔

اتوار کے روز ان مقامات پر گرمیوں میں خاص رونق ہوتی ہے۔ شہر کے لوگ اور سیاح جوق در جوق وہاں جاتے ہیں۔ تمام دن محفلیں گرم ہوتی ہیں۔ دعوتیں اڑاتے اور جلسے کرتے ہیں۔ باغات کے فوّارے بھی اسی روز چلائے جاتے ہیں۔ باقی ایام میں بند رہتے ہیں۔

بروز اتوار کرایہ ٹانگہ سالم آنے جانے کا چار پانچ روپیہ۔ لاری ۹۔ ۱۰ روپیہ۔ اور موٹر ۱۰۔ پندرہ روپیہ کے درمیان حسب اژدہام خلقت ہوتا

ہے۔ اور شکارا دو روپیہ سے تین چار روپیہ تک ملجاتا ہے۔ بعض مقامات پر شکارا عین مقام کے پاس نہیں آتا بلکہ کچھ فاصلہ پر رہتا ہے اور پیدل تھوڑی دُور جانا پڑتا ہے۔ اس لئے اگر چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ ہو تو ٹانگہ یا موٹر بہتر ذریعہ ہے۔ لوگوں کا اژدہام اتوار کو نو بجے کے بعد ہوتا ہے اگر چاندنی رات ہو تو رات کو بہت دیر تک چہل پہل قائم رہتی ہے۔ ان باغات میں ہر ایک قوم اور ملک کا آدمی اتوار کو دکھائی دیتا ہے۔ انگریز فرانسیسی۔ جرمن۔ ترک۔ پٹھان۔ ایرانی۔ پنجابی۔ یوپی والے۔ مدراسی۔ بنگالی۔ مرہٹے۔ غرضیکہ دُنیا بھر کے انسانات کے نمونے نظر آتے ہیں۔ جو اپنی اپنی وضع کے لباس میں ملبوس سیر و گلگشت کرتے ہوئے ایک بین الاقوامی سیرگاہ کا منظر پیش کرتے ہیں۔

پری محل و چشمہ شاہی۔ گُپکار روڈ سے نکلکر دو طرف دیو قامت سفیدوں کے درمیان یہ سڑک چشمہ شاہی۔ نشاط باغ وغیرہ کو جاتی ہے۔ گُپکار روڈ سرینگر کی مال روڈ یا سول سٹیشن ہے۔ اس کے ارد گرد مشہور و مقتدر اصحاب کے نفیس بنگلہ جات ہیں۔ سری حضور مہاراجہ صاحب کا جدید محل نما بنگلہ۔ آنریبل رائے بہادر سر شادی لعل صاحب بالقابہ چیف جسٹس ہائی کورٹ پنجاب کا خوبصورت خوشنما دو منزلہ بنگلہ بھی اسی سڑک پر ایک ہری بھری پہاڑی کے دامن میں نمایاں طور پر واقعہ ہے۔ جس کے سامنے باداموں کا ایک نہایت وسیع باغ ہے۔ ان کے علاوہ دیگر شہر کے ذی عزت اُمراء کے باغات و

کوٹھیاں ہیں۔ اس سڑک کو طے کر کے شہر سے کوئی تین چار میل کے فاصلے پر۔ موضع کھنڈ کے قریب دائیں جانب ایک بلند پہاڑی کے ٹکڑے پر پری محل واقعہ ہے۔ معلوم نہیں اس کا نام پری محل مشہور ہو جانے کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔ جاہل کشمیریوں کا خیال ہے کہ یہ مقام دیو پریوں کی آماجگاہ ہے۔ ڈاکٹر نیو کا خیال ہے کہ یہ کبھی مغلیہ خاندان کے زمانے کا ایک اجڑا ہوا باغ ہے جہاں نجوم اور ہیئت کے آلات رکھے ہوئے تھے۔ سنہ ۱۶۵۰ء میں تعمیر ہوا تھا۔ مگر دراصل قرائن اور کھنڈرات دیکھنے سے جو پتہ چلتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ کبھی ضرور کسی مغلیہ شاہی وزیر یا امیر کا بنوایا ہوا باغ ہے۔ چشمہ جات جو کبھی اسے سیراب کرتے ہونگے۔ خشک ہو گئے ہیں۔ اور استبداد زمانہ کے ہاتھوں یہ مقام خستہ اور برباد ہو گیا اب بھی ایک چشمہ چند جھاڑیوں میں سے بہتا ہے۔ اوپر جا کر دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس باغ یا عمارت کی بھی شالامار اور نشاط باغ کی طرح کئی منازل تھیں۔ آخیر کی منزل سڑک کی طرف واقعہ ہے۔ نہر اور فواروں کے نشانات مٹے مٹے موجود ہیں۔ عمارت سنگین۔ اور خوبصورت ہے۔ مگر نہایت خستہ اور بری حالت میں۔ چھت ندارد۔ دو تین منازل کی عمارات کے نشان قائم ہیں۔ یہاں سیاح صرف آثار صنادید کے لئے آتے ہیں۔ کوئی خاص دلچسپی نہیں اور نہ کوئی خاص دیکھنے کے قابل بات ہے۔ خاموشی اور ہُو کا مقام ہے۔

وہاں سے اتر کر ایک اور پہاڑی کے ٹکرے پر ساتھ ہی میل

ڈیڑھ میل کے فاصلے پر چشمہ شاہی کو دائیں طرف سڑک کٹتی ہے۔ چشمہ شاہی ایک پہاڑی پر واقعہ ہے۔ ارد گرد سرکاری باغات ہیں۔ جہاں کے پھل نہایت شیریں اور سائینٹفک طریقہ زراعت سے پرورش کئے جاتے ہیں۔ چشمہ شاہی ایک مختصر سے باغ میں واقعہ ہے۔ عمارات اگرچہ قدرے بوسیدہ ہوگئی ہیں۔ مگر پھر بھی غنیمت ہے یہ چشمہ شاہجہان بادشاہ کی یادگار ہے۔ مغلیہ گورنر علی مردان خاں نے ۱۶۳۲ء میں تعمیر کیا تھا۔ باغ کے آخری طبقے میں ایک سنگ سیاہ کا چھ سات انچ کے قطر کا نلکہ ہے۔ اس میں سے بہت زور سے نہایت ہی سرد اور شیریں پانی اُبلتا ہے۔ اس جیسا ہاضم اور خوشگوار پانی تمام مضافات کشمیر میں نہیں۔ اسے چشمہ شاہی نہیں بلکہ چشمۂ کوثر کہا جائے تو غیر موزوں نہ ہوگا۔ سیاح عموماً اسی چشمے کا پانی دوران قیام سرینگر میں بڑے شوق سے منگوا کر پیتے ہیں۔ نہایت گرمی میں پانی اسقدر سرد ہوتا ہے کہ آپ پانچ منٹ تک اس کے پانی میں ہاتھ نہیں ڈبو سکتے۔

اتوار کے دن باغ کے چند فوارے چلائے جاتے ہیں۔ بڑی بھیڑ بھاڑ اور رونق ہوتی ہے۔ پہلے چشمہ شاہی ہر روز کھلا رہتا تھا مگر اب دو سال سے صرف اتوار کو کھلتا ہے۔ باقی ہفتہ میں باہر کی طرف ایک چھوٹے نل کے ذریعہ پانی نکلتا رہتا ہے۔ باقی پانی بذریعہ نل مہاراجہ کے نو تعمیر شدہ محل اور سرینگر کے محلات شیر گڑھی میں پہنچایا

جاتا ہے۔ سیڑھیوں کے باہر چھوٹے چھوٹے میوہ فروشوں اور مالنوں کی پھلوں کی دوکانیں لگی ہوتی ہیں۔ جو کہ میوے اور پھل شہر کی نسبت مہنگے فروخت کرتی ہیں چشمہ شاہی کے قریب ایک باغ ہے۔ جہاں کے کاغذی بڑے بادام اپنی اس صفت کے لئے مشہور ہیں کہ ان میں سے ہر ایک بادام میں دو گریاں نکلتی ہیں۔ عموماً روپیہ سوا روپیہ سیر دیتے ہیں۔ چشمے کی پہلی بارہ دری میں کھڑے ہو کر ارد گرد اور ڈل کا نظارہ نہایت دلچسپ و خوش کن ہے۔ دائیں طرف کے سر بفلک پہاڑوں کی بغل میں بادل کھیلتے پھرتے ہیں۔

نشاط باغ ۔ یہ باغ جنت الارض چشمہ شاہی سے دو میل اور شہر سے قریباً سات میل کی مسافت پر برلب سڑک بلندی واقعہ ہے۔ پانی اور خشکی دونوں طرف سے رستہ ہے۔ اگر آپ سیر کا لطف حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان مقامات کو بذریعہ کشتی جائیے۔ نہایت پُر لطف راستہ ہے۔

اس وسیع باغ کے کئی تختے ہیں۔ پہلے بڑا دروازہ گذر کر اور چند سیڑھیاں چڑھ کر پہلا تختہ آتا ہے۔ عین بیچ میں نہر اور فوارے ہیں۔ اس کی حد پر ایک سنگین اور خوشنما بارہ دری ہے۔ جس کے نیچے حوض میں آبشار گرتا ہے۔ صرف اتوار کو یہاں فوارے چلائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر طبقے کے بعد بارہ دری۔ حوض اور آبشار ہیں۔ ایک طبقہ دوسرے طبقے سے بلند تر ہے۔ سب سے آخری طبقہ عین دامن کوہ پر واقعہ ہے۔ اور نہایت بلند ہے۔ اوپر کی منزل میں ایک سنگین مکان بھی

ہے جو شاہی اہل حرم کے لئے مخصوص تھا۔ جھیل ہارون سے پانی کی نہر اسی جگہ لاکر چھوڑی گئی ہے۔ جو تمام فوّاروں کو چلاتی۔ آبشاروں کو گراتی اور باغ کو سیراب کرتی گذر جاتی ہے اور ڈل میں جا ملتی ہے۔ اُوپر کی منزل سے تمام باغ اور دور ڈل کا نظّارہ نہایت خوشنما اور نہ بھولنے والا ہے۔ اوپر سے نہایت بلندی سے عظیم آبشار مچلتا ہُوا فوّاروں بھرے حوض میں گرتا ہے۔ ہر طبقے میں پھُول اور پھل اور درخت اس کثرت سے ہیں کہ ڈالیاں جُھکی پڑتی ہیں شاخوں کے نیچے ٹیکن اور ستون وغیرہ بمشکل تمام قائم رکھا گیا ہے۔ ورنہ پھلوں کے بوجھ سے ٹوٹ جائیں۔

چاروں طرف خوشنما باغ۔ نسیم عطر آمیز۔ فوّارے چلتے ہوئے۔ آبشار گرتے ہوئے اور ہر ملک کے سیاحوں اور حسینوں کا اجتماع۔ چہل پہل رونق ایک ایسا نظارہ ہے جو کبھی فراموش نہیں ہو سکتا۔ گھاس یکسر مانند مخمل کے کٹی ہوئی ہے۔ خواہ مخواہ سبزے پر لوٹنے کو دل چاہتا ہے۔

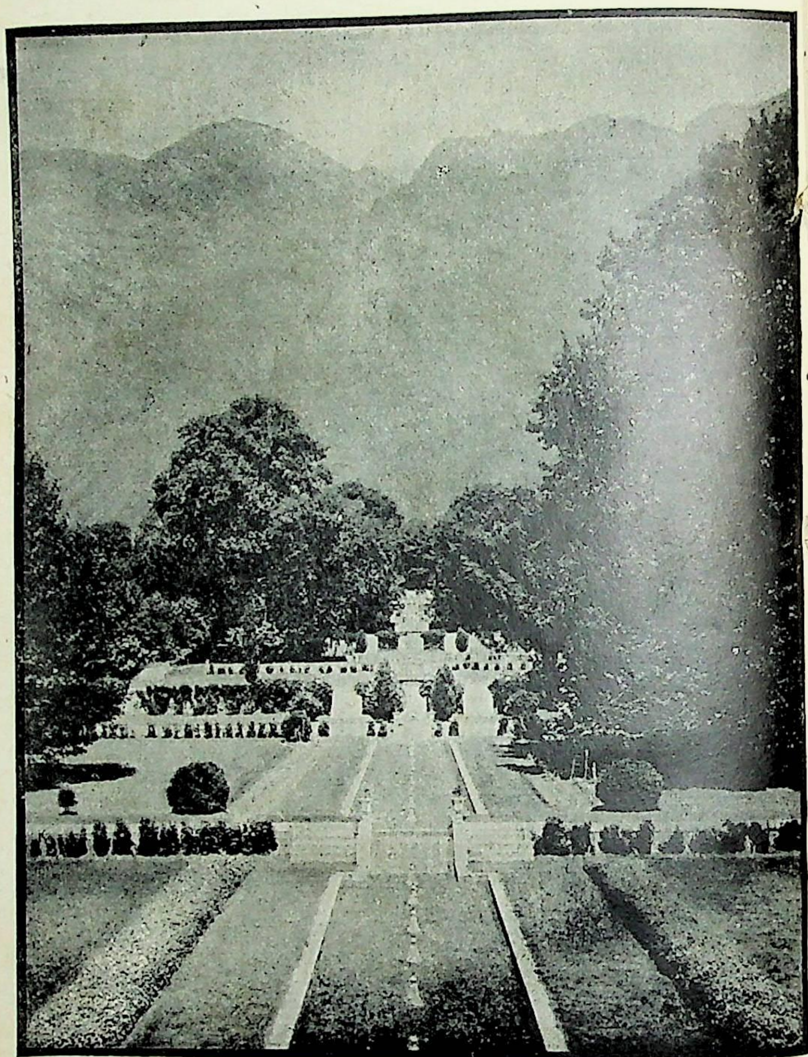
موسم بہار کی آمد پر جبکہ ہر ایک شاخ اور پتّے کی رگ رگ میں جوش آتا ہے۔ خوبصورت مہکدار پھول مچل مچل کر نکل آتے ہیں۔ تو شہر کے زندہ دل اصحاب اور دیگر سیاح باغ میں رنگ رلیاں مچانے آجاتے ہیں۔ دعوتیں ہوتی ہیں۔ جلسے اُڑتے ہیں۔ غرضیکہ عجیب بہار ہوتی ہے سلطنیہ وہی نقشہ ہوتا ہے جو ساون کے مہینے میں جہانگیر کے

مقبرے پر لاہور میں ہوتا ہے۔

یہ باغ سترھویں صدی کے شروع میں جہانگیر اور نورجہاں کے عہد میں تعمیر ہوا۔ کشمیر میں جو باغات اور عالیشان عمارات ہیں سب عہد مغلیہ کی یادگار ہیں۔

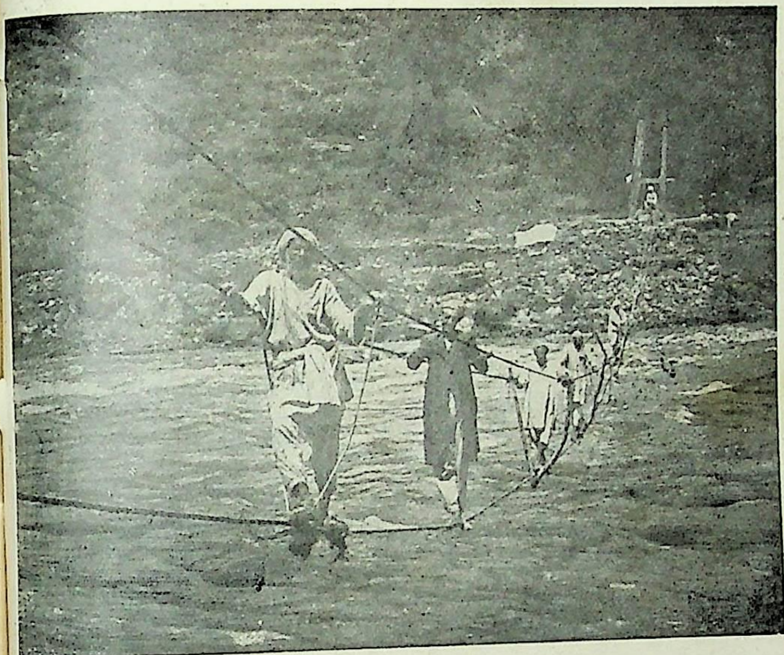
شالامار باغ۔ یہ باغ نشاط باغ سے آگے اسی سڑک پر دو میل کے فاصلے پر واقعہ ہے۔ باغ کیا ہے ایک جنت کا ٹکڑا کاٹ کر زمین پر لگا دیا گیا ہے۔ جہانگیر بادشاہ نے اپنی چاہیتی ملکہ نورجہاں کے لیے اسے بنوایا تھا۔ تاریخ تعمیر سنہ ۱۶۲۰ء ہے۔ لمبائی قریباً چھ سو گز۔ چوڑائی شروع میں دو سو گز اور آخری تختے پر ستر گز کے قریب ہے۔ نشاط باغ کی طرح سنگ سیاہ کے ستونوں والی بارہ دریاں۔ نہر۔ حوض۔ بیشمار فوارے۔ چنار کے دیو زاد درخت۔ دیگر پھل اور پھولدار درخت گیاہی قطعے اس خوبی اور دلربائی سے لگائے گئے ہیں کہ انسان اکبار تو بیخود ہوکر جھومنے لگتا ہے۔ اتوار کے روز خوب چہل پہل ہوتی ہے۔ باہر بیشمار کھانے پینے کی دوکانیں لگ جاتی ہیں۔ باغ کے مالیوں سے پھل شہر کی نسبت سستا اور خوش ذائقہ مل جاتا ہے۔

یہ باغ کشمیر کے تمام باغوں سے افضل ترین ہے۔ فوارے اس کثرت اور زور شور سے چلتے ہیں کہ ساون بھادوں کا سماں بندھ جاتا ہے۔ آبشاروں پر نظریں پھسل پھسل جاتی ہیں۔ تختہ زمردیں پر دل لوٹ پوٹ ہوا جاتا ہے۔ میووں اور پھلوں کی شادابی دیکھ دیکھکر



شالامار باغ کشمیر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri



رسی کے خطرناک پل پر سے کشمیریوں کا دریا عبور کرنا

"THE NEW UNION" PRESS, LAHORE

منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ ہر ایک شخص اِس نظارے کی مستی سے بیخود ہو جاتا ہے۔

اُوپر کا یعنی چوتھا تختہ حرم سرائے شاہی کے لئے مخصوص تھا۔ گز بھر اونچائی اور ۶۵ فیٹ مربعہ چبوترا ہے۔ جس کی چھت ۲۰ فیٹ بلند ہے۔ اِس میں چھ منقش ستون سنگ موسلے کے چھت کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ حوض ۵۰ فیٹ مربع ہے۔ جس میں ڈیڑھ سو کے قریب فوارے ہیں۔ یہ باغ لاہور کے شالامار باغ سے زیادہ خوبصورت اور فرح بخش ہے۔ عقب میں زنانہ کمرے ہیں اور اس کے پیچھے سر بفلک سبز درختوں سے لدا ہُوا پہاڑ ہے۔ ڈاکٹر برنیر نے جو بعہد اورنگ زیب عالمگیر سیر کشمیر کو آیا تھا اس باغ کی تعریف میں اپنے سفر نامے میں موتی لٹائے ہیں۔

اِس باغ کی مرمت ۱۹۰۶ء میں سرکار کشمیر کی طرف سے ہوئی تھی۔ مگر حالت اب بھی اچھی نہیں۔ پھر بھی غنیمت ہے۔

جھیل ہارون۔ یہ جھیل نہایت صاف شفاف پانی کا قطعہ ہے جو کوہ مہادیو (۱۳۰۰۰ فیٹ) کے دامن میں پہاڑیوں میں واقعہ ہے۔ یہ سرینگر کا ریزروائیر ہے۔ مہاراجہ پرتاب سنگھ آنجہانی نے اس کا پانی باشندگان سرینگر کے لئے لیجانے کا انتظام کیا۔ پانی کی صفائی اور نفاست کے خیال سے ارد گرد کے سب گاؤں اور آبادیاں اُٹھا دیں۔ اور بھیڑ بکری چرانے والوں کو بھی حکم نہیں کہ آس پاس کی

پہاڑیوں پر جانور چرتے ہیں۔ اس سے پانی کی صفائی کا بہتر بندوبست ہو گیا ہے۔ کسی شخص کو اس جھیل میں نہانے دھونے کا حکم نہیں اور غلاظت پھیلانے والے کی بڑی سختی سے خبر لی جاتی ہے۔

اس جھیل کا رقبہ ۲۵ ایکڑ اور گہرائی ۳۰ فیٹ کے قریب ہے۔ تین طرف تو پہاڑ ہیں۔ چوتھی طرف نہایت مضبوط مصنوعی بند باندھکر جھیل بنا دی گئی ہے۔ فالتو پانی ایک نہر سے نکل جاتا ہے۔ جو مچھلی باغ اور دیگر مضافات کی کھیتیوں کو سیراب کرتا ہے ۱۹۰۴ء میں یہ بند ٹوٹ گیا تھا۔ اس لئے اب ۲۴-۲۵ فیٹ سے زیادہ پانی جمع نہیں کیا جاتا۔ سرینگر کے تمام نلکے اسی پانی سے چلتے ہیں۔ اور نشاط اور شالامار باغ کے لئے بھی اسی جگہ سے پانی کی نہریں لیجائی گئی ہیں۔ جو اتوار کے روز کھولی جاتی ہیں۔

جھیل کے ارد گرد اخروٹ اور آڑو کے درخت ہیں بادام کے بھی چند پودے اور کھٹے شہتوت کے درخت ہیں۔ دائیں طرف پہاڑی پر مہاراجہ کا بنگلہ ہے اور پہاڑیاں سرکاری شکارگاہیں ہیں۔ بغیر اجازت نہ تو جھیل میں مچھلی کا شکار کھیلا جا سکتا ہے نہ شکارگاہ میں شکار۔

ہارون سے آدھ میل کے فاصلے پر شالامار والی سڑک پر ایک مچھلی باغ ہے جہاں (Trout) انگریزی مچھلیوں کی پرورش کی جاتی ہے۔ دو چار آنے لیکر مچھلیوں کا تماشا دکھایا جاتا ہے۔

یہ سیر سیاح کے دل پر ایک نہایت فرحت آمیز اثر پیدا کرتی ہے۔

جس کی یاد تمام عمر دل سے فراموش نہیں ہوتی ۔ ایک تو کشمیر خود ہی پروردگار کے دست قدرت آثار کا نادر نمونہ اور اس پر حضرت انسان کی نوازش ۔ سونے پر سہاگہ ۔ بے اختیار شاعر کے ہم خیال ہو کر کہنا پڑتا ہے

؎ صبح در باغ نشاط و شام در باغ نسیم
شالمار و لالہ زار و سیر کشمیر است بس

فصل دوم

دوسری سیر

پام پور ۔ اونتی پور کے منادر ۔ گندھک کے چشمے بمقام اوباں یا اوی

اس سیر میں بھی بذریعہ سڑک پختہ یا بذریعہ کشتی یا ہاؤس بوٹ جایا جا سکتا ہے ۔ یہ مقامات اسلام آباد کو جانیوالی پختہ سڑک پر واقع ہیں ۔ اگر سرسری نظر سے دیکھنا منظور ہو تو اسلام آباد جاتے ہوئے انہیں راستے میں اُتر کر دیکھا جا سکتا ہے ۔ اور اگر اچھی طرح دیکھنا ہو تو ایکدن یہاں بھی گذارنا چاہیئے ۔

پام پور سرینگر سے ۸ میل کے فاصلے پر برلب سڑک ایک پُرانا قصبہ

ہے۔ قصبے میں ایک بڑی مسجد قابل دید ہے۔ یہ قصبہ اپنی عمارتی خوبی کے لئے نہیں بلکہ اپنے قدرتی زعفران کے کھیتوں اور خاص قسم کی روئی کے لئے مشہور ہے۔

پام پور کے قرب و جوار میں کچھ زمین کے وسیع ٹکڑے ہیں۔ جن کی مٹی شنگرف کی طرح سُرخ ہے۔ اردگرد کے پہاڑ بھی سُرخی مائل ہیں۔ اس زمین میں یہ خاصیت ہے کہ اس میں سوائے زعفران کے اور کچھ پیداوار زرعی نہیں ہوسکتی۔ کہتے ہیں کہ اردگرد کے پہاڑوں کی اندرونی گرمی اس زمین میں خاص خاصیت پیدا کر دیتی ہے۔

کشتِ زعفران۔ زعفران کی پیداوار عجیب طریقے پر ہوتی ہے۔ کشمیر میں تمام زمینیں سرکاری ملکیت ہیں۔ کسان اسے رہن یا بیع نہیں کر سکتے۔ زعفران والی زمین بھی سرکاری ہے۔ فصل تیار ہونے پر نصف کسانوں کی اور نصف سرکاری پیداوار ہوتی ہے جس زمین میں برابر تین برس تک زعفران پیدا ہوتی رہے۔ اُس میں پھر تین سال تک کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کسانوں نے زمین کے دو حصے کر دئے ہیں۔ اس طرح تین سال تک ایک قطعہ زمین میں پیداوار ہوتی ہے اور دوسری زمین اس کے بعد تین سال تک پیداوار دیتی ہے۔ اس طرح ہر سال متواتر فصل زعفران تیار ہوتی رہتی ہے۔

زعفران کے بیج ایک قسم کی پیاز کی گانٹھیں سی ہوتی ہیں۔ جو ایکبار بو دی جاتی ہیں۔ کوئی پانی وغیرہ نہیں دیا جاتا۔ بارش یا ہوا کی رطوبت

لاہور سور کا شرطیہ علاج

لاہور سور

جس کا تیس سال تک کامیابی کیساتھ تجربہ ہو چکا ہے

ناتجربہ کار آدمیوں کے زیر علاج رہ کر اپنی صحت ضائع مت کرو۔ بلکہ فوراً ہمارے پاس آکر مرہم لگواؤ۔ چار روز کے استعمال سے اس دوائی کے شاندار اثر کا آپکو یقین ہو جائے گا تمام قسم کے دیگر پھوڑوں کے علاوہ آتشک اور سوزاک کا بھی علاج کیا جاتا ہے۔ کاربنکل پھوڑے کا علاج بغیر اپریشن کے کیا جاتا ہے۔

ہمارے پاس خاصی تعداد میں معززین اور رؤسا کے بیشمار سرٹیفکیٹ موجود ہیں جو ہر وقت دیکھے جاسکتے ہیں۔ اُن میں سے بعض کے نام درج ہیں۔

(۱) انریبل سر جسٹس شادی لعل چیف جسٹس ہائیکورٹ پنجاب (۲) چوہدری سلطان احمد ڈپٹی کمشنر ہوشیارپور (۳) رائے بہادر دیوان کنج بہاری لعل تھاپر۔ ایم بی۔ اے لاہور (۴) کے۔ بی جسٹس عبدالرؤف جج ہائیکورٹ لاہور (۵) مسٹر ایچ اے۔ سی بلیکر آئی سی ایس رجسٹرار ہائیکورٹ لاہور (۶) مسٹر اے۔ ڈی گرینڈل بی سی ایس اسسٹنٹ سیکرٹری پنجاب گورنمنٹ (۷) مسٹر لکشمی نرائن سول انجنیئر ریلوے لاہور (۸) مسٹر این۔ بی آسو اسسٹنٹ سیکرٹری فنانشل کمشنر پنجاب (۹) مسٹر پیس سیکرٹری فنانشل کمشنر پنجاب (۱۰) بجے۔ جی سیگریو، آر اے، وی سی۔ لاہور (۱۱) رائے صاحب ڈاکٹر گورانداس پل ایل ایم ایس پنجاب گورنمنٹ (۱۲) دیوان ہرکشنداس بی۔ اے، ریٹائرڈ چیف جج چیفکورٹ ریاست کپورتھلہ (نوٹ) ہمارے پاس ایک فقیر نے دمہ کی اکسیر دوائی دی ہے جو کہ دمہ کو جلد کافور کرتی ہے۔ اور فقیر صاحب کے حکم کے مطابق یہ دمہ کی دوائی مفت تقسیم کی جاتی ہے۔ ضرورتمند اصحاب فقیری سے فائدہ اٹھائیں

مانک چند جراح ولد اوڑہ مل جراح بازار مچھی ہٹہ کوچہ بابیاں لاہور

ضمیمہ ... شد

ربڑ کی مہریں

ہمارے کارخانہ میں ہر قسم و ہر زبان کی ربڑ کی مہریں، بلاک، پیتل کی مہریں اور چپڑاسیں۔ خوشنما ڈائیز بارعایت طیار کئے جاتے ہیں۔ نیز ہم ربڑ کے ٹائپ بکس اور سٹ در جن مہروں کے بارعایت فروخت کرتے ہیں۔ نیز

سونے چاندی کے میڈل (تمغے) رجسٹری شدہ

ہر قسم کے ہر وقت طیار رہتے ہیں۔ اور حسب فرمائش طیار کر دیئے جاتے ہیں۔ کام عمدہ۔ نرخ بازار سے ارزاں۔ ضرور آزمائش کریں

نوٹ } ہمارے چھاپہ خانہ شرما پریس انارکلی لاہور میں ہر قسم کی سادہ و رنگین چھپائی ہوتی ہے اور بارعایت۔ آزمائش شرط ہے:

مینیجر شرما انگریونگ کمپنی انارکلی لاہور

ایک ماہر دندان ساز لاہور میں

پائیوریا کا شرطیہ علاج بجلی کے ذریعے

دانت - بغیر درد کے بجلی کے ذریعے نکالے جاتے ہیں:

دانت - امریکن طریقہ سے بجلی کے ذریعے صاف کئے جاتے ہیں۔

مصنوعی دانت - سونے کے دانت جن کو اتارنے چڑھانے کی ضرورت نہیں۔ نئے امریکن طریقہ سے لگائے جاتے ہیں۔

پائیوریا (ماسخورہ) کا شرطیہ علاج - دانت ہلتے ہوں۔ پیپ جاتی ہو۔ خون نکلتا ہو۔ یا منہ بدبودار رہتا ہو۔ اسکے لئے یہ اکسیر ہے۔ قیمت فی شیشی دو روپے چار آنے ۲ عہ **اسرنا ٹوتھ کیور** کھوکھلے دانت کی درد ایک منٹ میں دور بڑی شیشی ۱۲ ار چھوٹی ۸ ر **دانت مضبوط** کرنے کا پوڈر قیمت ۱۲ ار

ملنے کا پتہ:- **ڈاکٹر امرناتھ سرنا ڈنٹل سرجن** (ماہر دندان ساز) ایکووڈ نزد امرت دھارا لاہور

مٹی جذب کر لیتی ہے۔ یکم کاتک کو خود بخود پہلے پہل گھاس کی سی شاخ نکل آتی ہیں۔ پھر پتے۔ ازاں بعد تھوڑے دنوں میں بنفشہ کے رنگ کے چھوٹے چھوٹے پھول برآمد ہوتے ہیں۔ شوقین لوگ اپنے ڈیرے خیمے ان کھیتوں کے ارد گرد برپا کر دیتے ہیں۔ اور زعفران کے شگوفہ کی سیر کرتے ہیں۔ ہوا میں اسقدر تیز مہک ہوتی ہے کہ نازک دماغوں کے تو سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ آکسیجن کی اسقدر کثرت ہوتی ہے کہ ذرا ذرا سی معمولی بات پر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ جبھی تو مثل مشہور ہے کہ کیا زعفران کی کھیتی دیکھی ہے جو بے اختیار ہنسی آ رہی ہے۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ جب زعفران کھِلتی ہے تو ہوا میں کثرت سے آکسیجن شامل ہو جاتی ہے۔ اور آکسیجن کی زیادتی ہمیشہ بے حد ہنسی پیدا کرتی ہے۔ سائنس میں آکسیجن کو "Laughing Gas" "ہنسانے والی ہوا" کہتے ہیں۔ زعفران زار کے قرب و جوار کے رہنے والوں کو شاذ و نادر ہی زکام اور درد سر کی شکایت ہوتی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ نہایت خشک اور آب نارسیدہ مٹی کے ڈھیلوں میں سے یہ بیش قیمت چیز پیدا ہوتی ہے۔ جب زعفران کے پھول نکل آتے ہیں تو کچھ دنوں کے بعد اُن پھولوں کے متن میں سے تین چار سُرخ و زرد بال سے برآمد ہوتے ہیں۔ یہی زعفران ہے۔ اس وقت اس شدت کی خوشبو اور مہک ہوا میں ہوتی ہے کہ دماغ پھٹنے لگتا ہے۔ میلوں تک زعفران کی خوشبو پھیلی رہتی ہے۔ صحت کے لئے یہ ہوا نہایت

مفید ہے۔ دل و دماغ کے لئے مقوی اور خون کو صاف کرنے میں

آبحیات کا حکم رکھتی ہے۔ ۱۹-۲۰ کاتک تک فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے۔ کسان پھول احتیاط سے چن لیتے ہیں۔ آدھے پھول سرکاری آدمی وزن کرکے لیجاتے ہیں اور نصف کاشتکار۔

پھر ان پھولوں میں سے نہایت احتیاط سے یہ بال نکال لیتے ہیں۔ زیادہ گہرے رنگ کے سُرخ اور لمبے بال عمدہ اور قسمِ اوّل کی زعفران ہوتی ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے بال زرد سے رنگ کے قسم دوئم اور ان کا ملا جُلا چُورا قسم سوئم۔ عمدہ قسم کی زعفران ڈیڑھ روپیہ تولہ بکتی ہے اور قسمِ دوئم روپیہ تولہ اور تیسری قسم کی ۱۲ ار-۱۴ ار فی تولہ۔

بعض چالاک دوکاندار زعفران کی باریک باریک گھاس کا چُورا زعفران میں رنگ دیکر یا مُرغ کے خون سے لال سُرخ بنا کر لطور زعفران بیچتے ہیں۔ اس لئے زعفران ہمیشہ بڑی جانچ پڑتال کے بعد ٹھیکیداروں سے خریدنی چاہئے۔ جن کی تعداد عموماً چھ سات ہوتی ہے۔

اصلی زعفران ہر سال ۶۰ سے ۷۵ من پختہ نکلتی ہے۔

زمین کی طاقت اسقدر ہے کہ یکم کاتک کی پیدا ہوئی ہوئی فصل کو صرف بیس روز میں یعنی ۲۰ کاتک تک تیار کر دیتی ہے۔

زعفران سوائے کشمیر کے اور کسی جگہ ایشیا بھر میں پیدا نہیں ہوتی۔ اٹلی اور مراکو میں بھی پیدا ہوتی ہے مگر وہ ایسی عمدہ اور اس کثرت سے نہیں ہوتی جیسی کشمیر میں ہوتی ہے۔

زعفران کی بدولت پام پور اور اس کے گردونواح کشمیر میں مشہور ہیں۔
اگر یہاں کی مٹی کو کسی گملے میں پودے سمیت لیجا کر وہاں سے چند میل
کے فاصلے پر بھی رکھدیا جائے تب بھی مرجھا جاتا ہے۔ سوائے پام پور
کے اور کسی علاقے میں زعفران پیدا نہیں ہوسکتی۔ اور نہ اس زمین میں
کسی قسم کی اجناس ہی پیدا ہوسکتی ہے۔ زمین کی گرمی ہر ایک چیز کو
جلا دیتی ہے۔ صرف ایک قسم کے گچھے دار گھاس ہی پیدا ہوتی ہے۔
جو جلانے کے کام آتی ہے۔

تین سال میں ایک دفعہ زعفران کی گانٹھیں بوئی جاتی ہیں۔ برابر
تین سال وُہی گانٹھیں خود بخود فصل پیدا کرتی ہیں۔

چشمہائے اویان و اونتی پورہ کے مناور۔ پام پور سے آگے
بڑھکر لکڑی کا پل عبور کرنے سے پہلے دائیں ہاتھ کو ایک سڑک پھٹتی
ہے۔ جو قصبہ ویان کی طرف جاتی ہے۔ جہاں گندھک کے چشمے ہیں
جو اپنی صحت بخش اوصاف کیلئے بہت مشہور ہیں۔ راستہ نہایت ناہموار
کوہان شتر کی طرح ہے۔ موٹر یا لاری نہایت احتیاط سے چلانی چاہیئے
یہ چشمے سڑک کے بائیں کنارے ایک خشک پہاڑی کے دامن میں
واقع ہیں۔ سیاح اور ضرورتمند اصحاب کے لئے خیمہ و خرگاہ قائم
کرنے اور ٹھہرنے کیلئے جگہ موجود ہے۔ کھانے کو دُودھ مرغی۔ انڈا۔
مکئی وغیرہ ملجاتی ہے۔ ان چشموں میں نہانے سے خارش بدن۔ داد۔
لاہور سور۔ چنبل وغیرہ جملہ امراض۔ صرف دو چار بار نہانے اور دھونے

سے صاف ہو جاتی ہیں۔ پینے میں یہ پانی کچھ زیادہ بد مزہ نہیں۔ مگر نہایت ہاضم اور صحت بخش ہے۔ یہ بالکل پاس پاس تین چشمے ہیں۔ نہانے کا کوئی انتظام نہیں۔ ریاست کی طرف سے نہ کوئی خاص حوض۔ کچھ بھی نہیں بنا ہوا ہے۔ کوئی دو تین گز پر یہ تینوں چشمے ملکر مسجد کے سامنے سے بہکر کھیتوں میں جا گرتے ہیں۔ لوگ ان چشموں کا پانی خاص طور پر اپنے ہمراہ بطور دوائی لے آتے ہیں۔

اسی سڑک پر شوپیاں[1] سے آگے آہر بل[2] کے مقام پر ایک نہایت بلند وخوشنما آبشار ہے۔ جو تقریباً ۱۰۰ فیٹ کی بلندی سے ایک پانی کے حوض میں گرتا ہے۔ شملہ کے آبشار چڈوک (Chadwick) سے زیادہ خوبصورت اور بڑا ہے۔ آہر بل کے آبشار سے آگے ۱۷-۱۸ میل کے فاصلے پر ایک برفانی پُر فزا چشمہ کونژ ناگ ہے۔ لطف نظارہ یہ ہے کہ اوپر یکسر برف پوش پہاڑ ہیں۔ نیچے وادی پھولوں سے لدی ہوئی اور اس میں یہ خوبصورت چشمہ ہے۔

اونتی پور۔ اسلام آباد والی سڑک پر واقع ہے۔ سرینگر سے ۱۸ میل کا فاصلہ ہے۔ یہاں پاس پاس آدھ میل کے فاصلے پر دو پرانے مناد ر زمین کھود کر برآمد کئے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک کی حالت تو بہت ہی خستہ اور برباد ہے۔ مگر دوسرا قابل دید ہے۔

---

[1] شوپیاں کا فاصلہ سرینگر سے ۳۰ میل ہے۔ [2] شوپیاں سے ۸ میل کا فاصلہ ہے۔ شوپیاں سے آگے ٹٹو اور پیدل کا راستہ ہے ؂

۷۱۵ء سے ۷۵۲ء میں اس جگہ راجہ للتادتیہ والئے کشمیر نے ایک شہر پرہسپورہ آباد کیا تھا۔ مگر استبداد زمانہ سے یہ شہر اور یہاں کی نفیس عمارت برباد ہو گئیں۔ اب محکمہ آثار قدیمہ نے ان منادر اور دیگر عمارات کو کھود کر برآمد کیا ہے۔ منادر کی سطح سڑک کی سطح سے بہت نیچی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ کسی زمانے میں کسی قریب کے آتش فشاں پہاڑ سے۔ لاوا اور فلزات کی اسقدر بارش ہوئی کہ یہ شہر منہدم ہو کر بالکل ڈھک گیا۔ مندر کی مورتیاں بعض بالکل صحیح وسالم ہیں۔ جو عجائب گھر سرینگر میں رکھی گئی ہیں۔ ستونوں کے نقش ونگار قابل غور ہیں۔ اصل مورتی کا استھان منادر کے بیچ کا چبوترا معلوم ہوتا ہے۔ چھت بالکل نہیں ہے۔ صرف چند دیواریں نہایت عظیم منقوش ستون۔ بیچ کا چبوترا باقی ہیں۔ باہر احاطے میں بہت بڑے بڑے مٹی اور چونے کے پختہ سرخ مٹ رکھے ہوئے ہیں۔ جو انہی منادر سے برآمد ہوئی ہیں۔ یہ گھڑے اتنے بڑے ہیں کہ علی بابا بمعہ اپنے چالیس چوروں کے ان میں چھپ جائیں۔ ان مٹوں میں سے پرانے سکے ۳۰-۴۰ قسم کے زیورات۔ اور چاول وغیرہ برآمد ہوئے تھے۔ جو عجائب گھر میں محفوظ ہیں۔

یہ مقامات بالکل سنسان اور بھیڑ بھاڑ سے دور ہیں۔ یہاں بڑی آسائش اور آرام سے دن چنار کے درختوں کی چھاؤں میں بسر کیا جا سکتا ہے۔ شام کو سرینگر واپس۔

فصل سوئم

تیسری سیر

گاندھر بل۔ مندر کھیر بھوانی۔ جھیل مانس بل۔ جھیل گنگا بل۔ سونہ مرگ

یہ مقامات تحصیل سرینگر میں ہی واقع ہیں۔ براہ خشکی و تری دونوں طرح گاندھر بل پہنچا جا سکتا ہے۔ خشکی کا رستہ رواں شادی پور کی طرف سے ہے اور تری کا راستہ براہ نالہ مار و جھیل انچھار بذریعہ ہوس بوٹ۔ ڈونگہ۔ کشتی وغیرہ ہے۔ جھیل ہارون سے بھی گاندھر بل کو سڑک جاتی ہے۔

سرینگر سے گاندھر بل ۱۴۔ ۱۵ میل کا فاصلہ ہے۔ اس کا اصلی نام دودرہامہ ہے۔ موٹر۔ لاری۔ ٹانگہ وغیرہ بآسانی جا سکتے ہیں۔ بارش میں ذرا احتیاط سے چلنا چاہئے۔ ڈونگہ کشتی وغیرہ بہت آہستہ آہستہ جاتے ہیں۔ مگر نظارہ نہایت دلکش اور فرح بخش ہے۔ گاندھر بل نالہ سندھ کے کنارے پر واقع ہے۔ اس سے آگے ہوس بوٹ۔ کشتی نہیں جا سکتی۔ موسم گرما میں سیاحوں اور شوقین مزاجوں کے ڈونگے۔ ہوس بوٹ۔ بجرے۔ کشتیاں یہاں بکثرت جمع ہو جاتی ہیں۔ اور بڑی رونق ہو جاتی ہے۔ یہاں ایک چھوٹا سا بازار بھی ہے۔ جھیل مانس بل۔ سونہ مرگ جانیوالوں کے لئے گاندھر بل ایک چھوٹی سی بندرگاہ

ہے۔ مچھوے یہاں کثرت سے ہیں۔

نالہ سندھ کا پانی نہایت شیریں۔ سرد اور ہاضم ہے۔ گاندھربل کا مقام اپنی دلربا سینری۔ نالہ سندھ کے پانی اور چشموں اور میوہ جات کی وجہ سے مشہور ہے۔

پاس ہی موضع تل مولہ میں کھیر بھوانی کے ہاضم چشمے اور اسی نام کا مندر ہے۔ جو اہل ہنود کا بڑا تیرتھ ہے۔ دُور دُور سے لوگ یاترا کو آتے ہیں۔ خود مہاراجہ بہادر بھی درشنوں کے لئے تشریف لاتے ہیں۔

قصبہ لار (رائے پور) اپنے لذیذ اور خوش ذائقہ انگوروں کے لئے مشہور ہے۔ گاندھربل سے ایک میل نیچے ملہ شاہی باغ قابل دید مقام ہے۔ یہ باغ مُلّا شاہ بدخشانی۔ پیر دارا شکوہ کے نام پر دارا شکوہ اور اسکی بہن جہاں آرا بیگم نے تعمیر کروایا تھا۔ یہ باغ اپنے شیریں پھلوں اور باداموں کے لئے مشہور ہے۔

جھیل مانس بل۔ یہ گاندھربل سے سات میل کے فاصلے پر ہے۔ پیدل۔ ٹٹو۔ گھوڑا جا سکتے ہیں۔ تری کی طرف سے بھی راستہ براہ سنبل۔ نالہ منی نارہ ہے۔ سیاحوں کا خیال ہے کہ یہ جھیل ڈل اور وُلر سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ دو گھنٹے میں اس جھیل پر پہنچا جا سکتا ہے۔ راستے کی سرسبزی و شادابی۔ انگوروں اور دیگر میوہ جات کے باغات کثرت سے ملتے ہیں۔ مشہور باغات جو راستے میں آتے ہیں وہ یہ ہیں۔ تحصیل باغ۔ رنبیر باغ وغیرہ۔ رانی پور کا انگور بے دانہ اور

تمام کشمیر میں اپنی لذت اور شیرینی کی وجہ سے مشہور ہے۔

اس جھیل تک پہنچنے کا ایک اور راستہ آسان تر ہے۔ سرینگر سے بارہ مولا والی سڑک پر پانچویں میل سے راستہ سنبل کو پھٹتا ہے۔ جہاں تک موٹر و ٹانگہ بخوبی جا سکتے ہیں۔ وہاں سے صرف ڈیڑھ میل آگے جھیل واقع ہے۔

جھیل پر پہنچکر سفر کی تمام کثافت وہاں کے دلکش نظارے کے مشاہدے سے جاتی رہتی ہے۔ جھیل کے تین طرف سر بفلک پہاڑ ہیں۔ چوتھی طرف کھیت۔ باغات۔ نالہ ہیں۔ مشرق کی طرف ایک پہاڑی پر چھوٹا سا سپاٹ میدان ہے۔ جہاں صدیوں کے چنار لگے ہوئے ہیں۔ یہاں ایک نہایت ٹھنڈے پانی کی نہر ہے۔ اس بلند میدان پر سے نظارہ نہایت نظر افروز معلوم ہوتا ہے۔ سورج کی کرنیں جھیل کے شفاف نیلگوں پانی کی لہروں میں اٹھکھیلیاں کرتی نہایت بھلی لگتی ہیں۔ رنگیلے نیچر شناس جہانگیر نے یہاں بھی اپنے لئے ایک محل اور باغ تعمیر کروایا تھا جن کے کھنڈرات ابتک سامنے کی سُرخ پہاڑی پر دکھائی دیتے ہیں۔ جھیل کا پانی نہایت عمدہ اور اسقدر صاف ہے کہ بعض جگہ تو بالکل تہ نظر نہیں آتی ہے۔ جنوب کی طرف مقام کنڈبل میں چُونہ کا پہاڑ ہے۔ جہاں سے چُونہ بذریعہ کشتی لاکر سرینگر میں فروخت کیا جاتا ہے۔ جھیل کی سیر بذریعہ چھوٹی کشتی صبح و شام نہایت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ قابل دید ہے۔ قابل تحریر نہیں۔

ایک اور بات قابل ذکر جو یہاں کے متعلق شنید ہے ۔ اور مولانا فوقؔ نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں انگور کے باغات میں ایک نہایت زہریلا سانپ اکثر ہوتا ہے ۔ لمبائی میں گز بھر کے قریب اور رنگ خاکی مٹیالا سا ہوتا ہے ۔ اس کا کاٹا مشکل سے بچتا ہے لہذا باغات میں گلگشت کرتے ہوئے سانپ کی احتیاط کرنی چاہیئے جھیل کے کنارے باغات وغیرہ میں مچھر بھی بہت ستاتے ہیں ۔

جھیل گنگابل ۔ یہ خوبصورت جھیل سطح سمندر سے بارہ ہزار فیٹ کی بلندی پر کوہ ہرمکھ کے برف پوش دامن میں واقع ہے ۔

گاندھربل سے ۲۵ میل کا فاصلہ ہے ۔ پیدل اور ٹٹو کا سفر ہے ۔ خیمہ و سامان خوراک اپنے ہمراہ لے جانا چاہیئے ۔ پہلا پڑاؤ کنگن (گاندھربل سے فاصلہ ۱۱ میل) چڑھائی ہے ۔ نالہ سندھ کے کنارے کنارے پہاڑوں میں سے راستہ جاتا ہے ۔ جنہیں گھوڑے کی سواری کی عادت نہ ہو انہیں بہت احتیاط سے ٹٹو کی سواری کرنی چاہیئے ۔ کیونکہ راستہ بہت ناہموار ہے ۔ راستے کا نظارہ نہایت رُوح پرور اور دل خوش کُن ہے ۔

دُوسرا پڑاؤ ونگٹ ۔ فاصلہ دو یا تین میل ۔ ایک راستہ نوسونامرگ کو جاتا ہے ۔ اور دُوسرا ونگٹ کی طرف سے ہو کر گنگابل کو ۔ ونگٹ ایک چھوٹا سا گاؤں سطح سمندر سے ۶۸۰۰ فیٹ کی بلندی پر نالہ ونگٹ کے کنارے آباد ہے ۔ ونگٹ سے تین میل آگے بڑھ کر پرانے

منادر کے کھنڈرات ملتے ہیں۔ یہاں ایک چشمہ نرائن ناگ بھی ہے۔ منادر کے کھنڈرات دیکھکر ایک عجیب بے ثباتیٔ عالم کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔

تیسرا پڑاؤ گنگابل۔ ونگٹ سے فاصلہ ۱۲ میل۔ اسے ہرمکٹ گنگا بھی کہتے ہیں۔ منادر کے کھنڈرات سے نکلکر راستہ پہاڑی پر چڑھ جاتا ہے۔ ۴۰۰۰ فیٹ کی جانکش چڑھائی ہے۔ اگر بارش ہو تو یہ راستہ از حد خطرناک ہے۔ ثابت قدم ٹٹو کے بھی اکثر پاؤں پھسل جاتے ہیں۔ راستہ سب سے بلند مقام (۱۰۸۰۰ فیٹ) پر پہنچکر نیچے اترتا ہے تمام دامن کوہ سبزہ زار اور انواع و اقسام کے خوش رنگ و خوش بو پھولوں سے لدا ہوُا نظر آتا ہے۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے برفانی پانی کے چشمے راستے میں ملتے ہیں۔ اس سے آگے ترونکل کا چھوٹا سا سبز قطعہ آجاتا ہے۔ یہاں خانہ بدوش گوجروں کی جھونپڑیاں ہیں۔ بھوج پتر کے بیشمار درخت ہیں۔ یہاں کیمپ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے آگے چار پانچ میل کی چڑھائی طے کر کے گنگابل کی جھیل آجاتی ہے۔ ترونکل سے جلانے والی لکڑی ہمراہ لیجانی چاہیئے۔ گنگابل میں نہیں ملتی۔ یہ جھیل کوہ ہرمکھ کی برف پوش ڈھلوانوں میں اور آس پاس کی پہاڑیوں کے جوف میں واقعہ ہے۔ اہل ہنود اسے بہت متبرک خیال کرتے ہیں۔ اپنے مردوں کی ہڈیاں بھی اکثر یہیں سپرد آب کرنے آتے ہیں۔ اور اپنے بزرگوں کے شرادھ بھی عموماً اسی جگہ کرتے

ہیں۔ اہالیانِ کشمیر کا ہر دوار یہی مقام ہے۔

سونامرگ۔ یہ گاندھربل سے ۰ ۴ میل کے فاصلے پر واقعہ ہے۔ تین پڑاؤ ہیں۔ پہلا کنگن ۱۱ میل پھر گنڈ ۱۵ میل۔ تیسرا سونامرگ ہے راستہ پیدل۔ ٹٹو۔ گھوڑے کا ہے۔ اختتام موسم بہار سے لیکر شروع موسم خزاں تک راستہ کھلا رہتا ہے۔ چہار طرف سرسبز پہاڑیاں خلعت زمردیں پہنے نہایت دلفریب منظر پیش کرتی ہیں۔ خود رو پھولوں کی خوشبودار ہواؤں کے مست و مخمور جھونکے مشام جان کو معطر کرتے ہیں۔ ہر ایک جھاڑی گل بدامن ہے۔ پیچ در پیچ اتار چڑھاؤ کے راستے نالہ سندھ کا کبھی دائیں۔ کبھی بائیں۔ اپنی شیریں اور برفانی خوبیوں سے بہنا لطف مزید پیدا کرتا ہے۔

یہ دشوار گزار راہ اور کئی میل کی چڑھائی اور اترائی طے کرنے کے بعد سونامرگ۔ کا میدان آجاتا ہے۔ یہاں دو گاؤں بھی ہیں۔ جہاں سے ماکولات کا بند و بست ہو سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برف پوش پہاڑوں اور سبزہ زار وادیوں میں یہ ہموار سطح مرتفع انسان نہیں بلکہ ملکوت کے لئے وقف کی گئی ہے۔ اس میدان کا طول اندازاً دو میل اور عرض قریباً میل بھر ہے۔ بلندی سطح سمندر سے آٹھ ہزار چھ سو فیٹ ہے۔ گلمرگ سے بلند تر ہے۔ آب و ہوا شدت موسم گرما میں بھی نہایت فرح بخش اور خوشگوار ہوتی ہے۔ کسی دن یہ مقام بھی گلمرگ کی طرح ایک نہایت عمدہ آباد مقام ہو جائیگا۔ لیکن یہاں

کانظارہ اور آب وہوا گلمرگ سے لاکھ درجے بہتر ہے۔ یہ کشمیر میں دوسرے درجے پر وادی ہے۔ یہاں سے لدّاخ کو بھی رستہ نکل جاتا ہے۔

اس سیر میں دو تین روز سے کم عرصہ نہیں لگتا۔ لہذا سیاحوں کو اپنے ہمراہ کافی سامان رسد لیجانا چاہئے۔ دودھ۔ مکھن۔ انڈے۔ مُرغی تو کثرت سے اور ارزاں مِلسکتے ہیں۔ سونہ مرگ جانا ہو تو گرم کپڑے بھی ہمراہ لیجانے ضروری ہیں۔ یہاں جون جولائی میں اکثر یوروپین اور متمول ہندوستانی کیمپ لگاکر رہتے ہیں۔

فصل چہارم

چوتھی سیر

جھیل وُلر

یہ جھیل کشمیر تو کیا ایشیا بھر میں تازہ اور میٹھے پانی کی سب سے بڑی جھیل ہے۔ اِردگِرد ہر مکھ کے سر بفلک پہاڑ (۱۶۹۰۰) فیٹ بلند۔ دیو کی طرح چھائے ہوئے ہیں۔ موسم گرما میں اس کی لمبائی ۱۲۔ ۱۳ میل اور چوڑی ۹۔ ۱۰ میل تک ہو جاتی ہے۔ مگر سرما میں اتنی وسعت نہیں ہوتی۔ براستہ دریا اور براستہ سڑک دونوں طرح وُلر تک پہنچا جاسکتا ہے

مگر جھیل کی سیر کشتی ہی کے ذریعے واضح طور پر ہو سکتی ہے۔ سرینگر سے ہانجی لوگ ڈونگے کا آنے جانے کا کرایہ ۱۲ سے ۱۴ روپیہ تک لے لیتے ہیں۔ دو دن ایک رات صرف ہوتے ہیں۔

خشکی سے راستہ گلگت والی سڑک کی طرف سے ہے۔ دریا کا بل عبور کر کے سنبل کے پاس سے رستہ علیحدہ ہوتا ہے۔ اور یہ سڑک قصبات عجاس اور صدر کوٹ سے ہوتی ہوئی۔ پہاڑیوں کا چکر کاٹتی جھیل وُلرّ کے پاس آنکلتی ہے۔ دورانِ سفر میں پہاڑی کی سڑکوں پر سے جھیل وُلرّ کا نظارہ نہایت بھلا معلوم ہوتا ہے۔

وُلرّ میں دیکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ ایک نہایت وسیع قطعہ آب ہے۔ جس میں بعض بعض مقامات پر چشمے اُبلتے دکھائی دیتے ہیں۔ بنڈپورہ کے پاس زینہ لنک۔ سلطان زین العابدین کا بنایا ہوا مصنوعی جزیرہ ہے۔ جس کی عمارات اب بالکل کھنڈر ہو چکی ہیں۔ وُلرّ میں بعد دوپہر کشتی میں سیر کرنا خالی از خطرہ نہیں۔ کیونکہ ہرمکھ کے پہاڑ سے بارش اور ہوا اس زور سے اسطرف پڑتی ہے کہ معمولی کشتی تو کیا بڑی سے بڑی کشتی اسکی بلاخیز موجوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

جھیل وُلرّ میں کثرت سے مچھر ہوتے ہیں۔ جو کہ مچھر دانیوں سے بھی نہیں رکتے۔ اپریل مئی تک کم ہوتے اور پھر اکتوبر میں ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مگر جون سے لیکر ستمبر تک تو یہ اربوں اور سنکھوں کی تعداد میں جھیل کے کنارے پر بلا کی طرح چھائے رہتے ہیں۔

جھیل میں سبزا و گھاس چھائی ہوئی ہے۔ سنگھاڑا بھی کثرت سے

پیدا ہوتا ہے۔ کنول کے پھول بھی اکثر دکھائی دیتے ہیں۔ جنگلی راج ہنس
مرغابیاں۔ اسی آبی روئیدگی میں رہتی سہتی اور بچے دیتی ہیں۔ مچھلی کا شکار
بھی ملتا ہے۔ وُلر کے گرد و نواح کی کھیتاں بہت زرخیز اور اچھی پیداوار
رکھتی ہیں۔

جھیل کے شمال مغربی طرف پہاڑی پر حضرت شکرالدین کی زیارتگاہ ہے۔
چاندنی رات میں جھیل کا نظارہ نا فراموش کن یاد ہے۔

نوٹ:۔ جھیل وُلر کی سیر کے لئے اگر کشتی کی جائے تو اسی کشتی والے کو کچھ رقم
زائد دیکر جھیل مانس بل و گاندھر بل دکھیر بھوانی بھی دیکھ سکتے ہیں۔

وُلر سے واپسی پر سنبل کے پڑاؤ سے ایک نالہ جھیل مانس بل کو جاتا ہے۔ مانجی
لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہی مانس بل ہے۔ مگر ان کو کہا جائے کہ کشتی جھیل کے پار لیجائیں
پھر واپس سنبل آکر پھر دریا کے راستے شادی پور آجانا چاہیئے۔ شادی پور سے خواہ
گاندھر بل یا کھیر بھوانی جانا چاہیئے۔ دونوں مقامات کا آپس میں ڈھائی تین میل
کا فاصلہ ہے۔ وہ پیدل جاکر دیکھ سکتے ہیں۔



فصل پنجم

پانچویں سیر

گلمرگ - الپتھر ۲

گلمرگ - ریاست بارہ مولا میں واقع ہے - یہ دراصل انگریز اور صاحبان توفیق کے لئے وادیٔ کشمیر میں موسم گرما کی تفرّج گاہ ہے - جون سے لیکر اگست ستمبر تک بہت رونق اور چہل پہل رہتی ہے - ایک چھوٹا سا یورپین شہر معلوم ہوتا ہے - ایک نہیں دو نہیں بلکہ میلوں تک خود رو خوشبودار پھولوں کے تختے اس کی وادی میں کھلے ہوئے ہیں - واقعی یہ ایک مرغزار گل ہے - یہاں بڑے بڑے سرکاری افسران ریاست اور دیگر ہندوستان کے متمول اور مشہور آدمیوں کے ذاتی مکانات ہیں - کرایہ فی کوٹھی یا بنگلہ تمام موسم کا پانسو روپیہ تک ہوتا ہے جو پیشگی لیا جاتا ہے بازار - ڈاک خانہ گرمیوں میں کھل جاتے ہیں - اس کی گول سڑک کا نظارہ نہایت پُرمنظر ہے - ہوٹل یہاں صرف نیڈو کا ہے - جہاں گرمیوں میں اکثر رہنے کی جگہ مشکل سے ملتی ہے - ایک خالصہ ہوٹل بھی ہے - ہندوؤں کے رہنے کیواسطے ایک گوردوارہ ہے - مگر جگہ کی قلت ہے - اور ایک مندر بھی ہے وہاں کچھ دے دلا کر شب باشی

ہو سکتی ہے۔ برِبلڈ۔ گولف کے میدان ہیں۔ جن کے ساتھ ساتھ ایک

ٹھنڈے پانی کی ندی (نالہ فیروزپور) چلتی ہے۔ بلندی سطح سمندر سے ۸۵۰۰ فیٹ ہے۔ اوپر کا میدان طول میں قریباً دو میل اور چوڑائی میں آدھ میل ہموار ہے۔ صاف دن میں اردگرد کے سر بفلک برف پوش پہاڑوں کا نظارہ نہایت دلچسپ ہوتا ہے۔ تمام پیر پنجال کی وادی زیرِ نظر ہوتی ہے۔ ایک طرف ہرمکھ کی ۱۶۹۰۰ فیٹ برف سے ڈھکی ہوئی چوٹی دکھائی دیتی ہے۔ اس سے دور نانگا پربت کی ۲۷،۰۰۰ فیٹ بلند برف پوش بُراق سی چوٹی آسمان کو چھیدتی دکھائی دیتی ہے۔ نیچے لہلہاتے مکئی کے کھیت۔ چشمے ندی نالے بہتے ہوئے۔ دشوار گذار گھاٹیوں پر بکریوں کے گلّے چرتے۔ عجیب بہار دیتے ہیں۔ بلندی پر دیودار اور چیل کے ہیبت ناک دیوزاد درختوں کی بستیاں ہیں۔ غرضیکہ ایک عجیب فرح بخش۔ دلکش اور کیف آور مقام ہے۔

راستہ۔ سرینگر سے فاصلہ ۲۷ میل۔ سب سے بہتر راستہ براہ ماگام۔ ٹنگ مرگ ہے۔ موٹر ٹنگ مرگ تک جاتی ہے۔ ماگام سے چڑھائی شروع ہو جاتی ہے۔ سڑک عمدہ اور اچھی حالت میں ہے۔ اردگرد کا نظارہ نہایت پُرفضا ہے۔ قدم قدم پر پھولوں کا ڈھیر۔ چشموں کا اُبلنا۔ پھلدار درختوں کی کثرت آنکھوں کو طراوت اور دل کو فرحت بخشتی ہے۔

ٹنگ مرگ سے گلمرگ تک تین میل تک کٹھن اور سخت چڑھائی ہے۔

پیدل یا ٹٹو کے ذریعے اوپر چڑھتے ہیں۔ قلیوں کا ٹنگ مرگ پر عمدہ انتظام ہے۔ ۵ آنے فی قلی مقرر ہے۔ ٹٹو کا دس آنے کرایہ ہے۔

ایام گرما میں سیاح اگر گلمرگ رہنا چاہیں تو رہائش کے لئے پہلے ہی سے بندوبست کر لینا چاہیئے۔ ورنہ بعد میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔

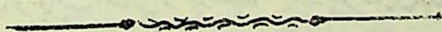
الپتھر: یہ ایک اور بلند تر مقام گلمرگ سے ۹-۱۰ میل آگے ہے۔ بذریعہ ٹٹو اور پیدل سفر کیا جاتا ہے۔ یہ مقام عموماً گرمیوں میں بھی برف پوش رہتا ہے۔ اس لئے برف پر پھسلنے کے لئے اچھی مشق گاہ ہے۔ انگریز عموماً یہاں Skating سکیٹنگ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ عارضی رہائش کا انتظام ہر ایک شخص اپنے خیمہ و خرگاہ سے کر لیتا ہے۔ سردی یہاں زیادہ ہوتی ہے۔ برف کی بہار دیکھنی منظور ہو تو الپتھر تک ہو آنا چاہیئے۔

ہدایات:۔ اگر مطلع بالکل صاف ہو تب یہاں کی سیر کا اقدام کرنا چاہیئے۔ ورنہ ہرگز نہیں۔ کیونکہ راستہ میں نہایت تکلیف پیش آتی ہے۔ نہایت دشوار گذار چڑھائی ہے۔ پہلے پڑاؤ گلمرگ سے کھلنمرگ آتا ہے۔ یہاں ایک نہایت ہی سرد پانی کا چھوٹا سا چشمہ ہے۔ اور چھوٹا سا میدان ہے۔ یہاں سے آگے دو راستے الپتھر کو جاتے ہیں۔ کھلنمرگ تک تو نہایت آسان راستہ ہے۔ بطور سیر عورتیں بھی چلی جاتی ہیں۔ ایک تو سیدھی چڑھائی ہے۔ یہ فاصلہ ۷ میل کا ہے۔ جس میں

سخت چڑھائی ۵ میل ہے۔ اور باقی دو میل عظیم پتھروں والا راستہ ہے ان پتھروں پر پاؤں پھسل جانے کا اندیشہ ہے۔ آگے ایک نہایت عمدہ نیلگوں پانی کی جھیل ہے۔ جس میں برف کے ٹکڑے تیرتے نظر آتے یہاں اگر آپ زور سے آواز دیں تو ارد گرد کی پہاڑیوں سے ٹکرا کر صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔

دُوسرا راستہ عام ٹٹو کا ہے۔ ۱۴ میل کا فاصلہ ہے۔ چڑھائی سخت ہے۔ بارش وغیرہ میں ہرگز آگے نہ بڑھنا چاہئیے۔ اردگرد سربفلک پہاڑ اور اُن پر دیوزاد درخت اور رکھ ہیں۔ دو تین گھنٹے تک آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے۔ برف کے سپاٹ ٹکڑے اور چوڑے قطعے اکثر دکھائی دیتے ہیں۔ اوُپر پہنچ کر اگر مطلع صاف ہو تو سرینگر تک نظر آتا ہے۔ جھیل وُلر کا نظارہ ہر طرف گھاٹیاں۔ پہاڑ۔ خودرو پھولوں سے لدی ہوئی عجیب بہار دیتی ہیں۔ تمام کشمیر ویلی زیر نظر آجاتی ہے۔

نوٹ:۔ ٹنگ مرگ سے ایک راستہ توشہ میدان کو جاتا ہے۔ صبح کا چلا شام کو پہنچتا ہے۔ ۳۵ - ۴۰ میل کا فاصلہ ہے۔ ۱۶۰۰۰ فیٹ بلند ہے۔ نہایت ہی سخت چڑھائی ہے۔ یہاں سے بنفشہ اور گچھیاں دساور کو جاتی ہیں۔



باب دہم

وُہ مقامات قابلِ دید جو اسلام آباد کے قُرب و جوار میں ہیں

یہ بار بار لکھنے کی ضرورت نہیں کہ وادیٔ کشمیر میں ہر ایک جگہ۔ ہر ایک مقام "دامن دل سے کشد" کے مصداق ہے۔ مگر بلحاظ سین سینری اور چشمہ جات۔ باغات کے لحاظ سے اسلام آباد اور اس کے اطراف و اکناف ان تمام دلچسپیوں سے پُر ہیں۔

خود اسلام آباد کافی رونق اور تاریخی مقامات کا شہر ہے۔ یہاں بھی میٹھے پانی اور گندھک کے چشمے ہیں۔ تمام ریاست میں دوسرے درجے کا شہر ہے۔ اردگرد چونکہ بلند پہاڑ ہیں۔ اس لئے یہاں کی آب و ہوا سرینگر سے سرد تر ہے۔ دھسّو۔ زین پوش۔ شال۔ فرشی گبھے۔ چوبی منقوش کام۔ پتھر کے کھرل اور پیالے یہاں کی مشہور تجارتی اشیاء ہیں۔

اسلام آباد کو عموماً اننت ناگ کہتے ہیں۔ یہاں وزارت۔ تحصیل۔ تھانہ۔ ہائی سکول۔ شفاخانہ سب کچھ ہے۔ بازار تنگ و گنجان ہیں۔ صفائی کی حالت ناقص ہے۔ شہر کے اندر دو ایک گندھک کے چشمے ہیں۔ جن میں سے ملخ ناگ کا گندھک کا چشمہ بہت مشہور ہے۔ اس کا پانی نہایت ہاضم ہے۔ اور خارش کے لئے بھی مفید ہے۔ شہر کی آخری

حد پر جہانگیر کے زمانے کے تالاب ہیں۔ جن کے ارد گرد اہل ہنود نے عمارات بنواکر سنت سادھوؤں کے لئے قیامگاہیں بنالیں ہیں مسلمانوں نے بھی ایک چبوترہ چنار کے نیچے مسجد کے طور پر بنایا ہوا ہے۔ ایک میٹھے پانی کا چشمہ نہایت زور سے تالاب میں گرتا ہے۔ جہاں ہزارہا مچھلیاں پروہتوں نے پال رکھی ہیں۔

کشمیر کے ہر ایک مذہبی یا پرانے مقامات پر مچھروں کی طرح ایک ان پروہتوں کی وبا پھیلی ہوئی ہے۔ جہاں کوئی اجنبی آیا۔ اور یہ اپنی لمبی لمبی فرسودہ بہیّاں لے کر اس کی طرف دوڑے۔ لگے اس سے اس کا نام۔ پتہ پوچھنے۔ ناواقف آدمی تو ان کا حملہ دیکھکر خائف سا ہوجاتا ہے بجائے کسی چیز کو دیکھنے کے ان کی شکل دیکھتا رہتا ہے۔ ان کی دقیانوسی بہیوں میں ہزاروں مختلف اطراف ہندوستان کے آدمیوں کے نام ونشان درج ہوتے ہیں۔ اگر سیاح ہندو ہے تو بس پھر کیا کہنا۔ جب تک اس کی سات پشتوں میں سے کسی فرد کا نام اپنی بہی میں سے نکالکر جو کبھی کشمیر میں سیر کو آیا تھا۔ اس بیچارے سیاح کو واضح نہیں کردیتے چین نہیں لیتے۔ اس تمام محنت اور عرقریزی کا منشا یہ ہے کہ جس پروہت کی بہی میں سے ایسا کوئی رشتہ نکل آئے وہ اس سیاح کا بھی خاندانی پروہت ہے۔ اور وہی اسے سب قابل دید مقامی موقعے دکھائیگا۔ اور وہی دو چار آنے کی حق المحنت کا حقدار ہوگا۔ ہر ایک سیاح کو ان کی یہ ڈھٹائی نہایت بری معلوم ہوتی ہے۔ مگر وہ ایسے احمق ہیں کہ ذلیل ہوکر بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ بلا

کی طرح پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ اور اگر سیاح مسلمان ہے تو جب بھی اس کا ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ مچھلیاں دکھانے یا گندھک کے پانی کی خوبیاں بیان کرنے یا کسی مقدس مقام کی تاریخی اہمیت بیان کر کے چاہے وہ سیاح ان سے بہتر جانتا ہو۔ اپنا دست سوال دراز کر کے دو چار آنے لے ہی مرتے ہیں۔

اسلام آباد میں سیاحوں کیلئے ٹھہرنے کی جگہ ملجاتی ہے۔ لوگ خیمے چھولداریاں لیجاتے ہیں۔ اور باہر میدانوں میں لگا لیتے ہیں۔ یہاں موٹروں کا اڈا ہے۔ پٹرول عام فروخت ہوتا ہے۔ پھل پھول سرینگر سے زیادہ سستے ہوتے ہیں۔

یہ سرینگر سے جانب جنوب مغرب ۳۴ میل کے فاصلے پر واقعہ ہے۔ بذریعہ ٹانگہ۔ موٹر۔ لاری۔ کشتی یہاں آیا جا سکتا ہے۔ راستے میں بیج بہاڑہ دریا کے پل کے پاس ایک وسیع قصبہ ہے۔ جس کے پرانے چوبی مکانات اپنی علیحدہ نوعیت پیش کرتے ہیں۔ کھنابل کے قریب مہاراج کا کیمپ ہے۔

یہاں ٹھہر کر مفصلہ ذیل مقامات کی سیر آسانی سے ہو سکتی ہے۔

(۱) اچھابل کے چشمے اور باغات۔

(۲) کگرڑ ناگ کے چشمے۔

(۳) ویری ناگ کے چشمے۔ باغات۔ آبشار۔

(۴) مٹن اور اسکی غاریں۔

(۵) مارتنڈ کے مندر
(۶) عیش مقام اور اس کی غاریں۔
(۷) پہلگام کا صحت بخش مقام۔
(۸) پہلگام سے آگے امرناتھ کی یاترا یا سیر کو جاتے ہوئے شیشناگ پنج تارنی کی برف آب ندیاں۔ کوہ کہلائی کے برف کے عظیم تودے۔
غرضیکہ اننت ناگ ایک ایسا ہیڈ کوارٹر ہے جس کے ارد گرد چشمے۔ باغات۔ پہاڑوں کے نظارے کثرت سے ہیں۔ اور تقریباً ہر ایک مقام پر بذریعہ موٹر۔ ٹانگہ سیر کی جا سکتی ہے۔ سوائے امرناتھ کی غار کے۔
ان تمام دلچسپیوں کی وجہ سے اننت ناگ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

فصل اوّل

اچھابل

اگر اسلام آباد میں مقام کیا جائے تو فرداً فرداً ہر ایک مقام کو دلجمعی سے دیکھنا چاہیئے۔ اور اگر بذریعہ موٹر سرینگر سے ایکدن ہی میں تمام مقامات دیکھنے منظور ہوں۔ تو سیر کا لطف بھی نہیں آئیگا۔ اور اغلب ہے کہ تمام مقامات دیکھے بھی نہ جا سکیں۔

اچھابل اپنے دریا جیسی روانی کے چشموں کیلئے مشہور ہے۔ یہ مقام اسلام آباد سے چھ میل کے فاصلے پر ایک دامن کوہ میں واقع ہے۔ نہایت پُرفضا مقام ہے۔ شاہان مغلیہ میں سے جہانگیر اور شاہجہاں کو یہ مقام خاص طور پر بہت دلپسند تھا۔ جنہوں نے یہاں پُرفضا باغات خوبصورت عمارات اور فوارے لگوائے۔ جو ابتک بھی سیاحوں کی تفریح کا مقام بنے ہوئے ہیں۔ اگرچہ عمارات بوسیدہ ہوگئی ہیں۔ مگر باغات اور چشمے اچھی حالت میں ہیں۔ طرز تعمیر باغات وہی مغلیہ ہے۔ باغ کے کئی طبقے ہیں۔ ہر طبقے میں تالاب۔ آبشار۔ فوارے ہیں۔ ہر طبقے کی حد پر خوشنما بارہ دریاں ہیں۔ اورنگ زیب کے عہد میں ڈاکٹر برنیر مشہور یورپین سیاح اس باغ اور چشمے کی لطافت اور خوبیوں کا رطب اللسان ہے۔ ہر ایک سیاح جو یہاں آتا ہے۔ یہاں کے کیف پرور بہار سے مخمور ہوکر جاتا ہے اور ہمیشہ یاد رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ چشموں کے پانی کے خواص کے متعلق بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں کا قول ہے کہ یہ امراض معدہ کے لئے لاثانی ہیں۔

عموماً وہ سیاح جنہیں اس قسم کی کوئی شکایت ہوتی ہے۔ ان چشموں کے پاس ڈیرے لگائے گرمی کے ایام گذارتے ہیں جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانے کے چند پُرانے چنار کے درخت ابتک پرانے زمانے کی یاد دلاتے ہیں۔ اچھابل میں خیمہ وغیرہ کا انتظام ہوسکتا ہے۔ یہاں ریسٹ ہاؤس پوسٹ آفس بھی ہیں۔

جب کوئی وائسرائے یا اور کوئی بڑا آدمی سیر کشمیر کو آتا ہے تو اور دیگر مقامات دیکھنے کے بعد اس کو ضرور دیکھتا ہے۔ اِس کی لطافت۔ اور خوبصورتی قابل دید ہے۔ تحریر سے باہر ہے۔

اچھابل سے دو میل آگے ایک ریاستی ملٹری کالج ہے۔ جہاں فوجی ملازمت کیلئے لڑکے پڑھتے ہیں۔ نہایت عمدہ مقام ہے۔ یہاں سے خالص اور سستا دُودھ عوام کو ملسکتا ہے۔

نوٹ:۔ یہاں بھی ہاروَن کی طرح ایک مچھلی پالنے کی جگہ ہے۔ جہاں ولائتی مچھلی کی پرورش کیجاتی ہے۔

فصل دوُم

کُکرڑناگ

اچھابل سے آگے ایک سڑک ڈکسول کی طرف جاتی ہے۔ اس راہ میں کُکرڑناگ کے چشمے آتے ہیں۔ فاصلہ اچھابل سے دس میل ہے۔ موٹر۔ ٹانگے سب کچھ جاسکتا ہے۔

یہاں بھی ہاضم اور سرد و شیریں پانی کے چشمے ہیں جو نہایت ہی ہاضم مانے گئے ہیں۔ مختلف کھڈوں میں سے پانی اُبلتا ہے۔ سوائے چشموں

کے اور کوئی جائے رہائش نہیں۔ کیونکہ یہ مقام غیر آباد ہے سامان خوراک بھی ہمراہ لے جانا چاہیئے۔ البتہ دودھ مل سکتا ہے۔

فصل سوئم

چشمہائے ویری ناگ

چشمۂ ویری ناگ اسلام آباد سے سولہ میل کے فاصلے پر جموں والی سڑک پر پیر پنچال کی دامن میں واقعہ ہے۔ بلندی سطح سمندر سے ۶ ہزار فیٹ کے قریب ہے۔

یہ چشمہ دریائے جہلم کا منبع ہے۔ اسی میں سے یہ دریا جنم لیتا ہے جس چشمے میں سے دریا نکلے اس کی روانی اور جوش کا اندازہ خود کر لیجئے۔

جہانگیر بادشاہ کو یہ مقام اور چشمے کی فراوانی بے حد پسند آئی۔ اس کے ارد گرد خوبصورت عمارات اور حوض بنوایا۔ شاہجہان بادشاہ نے اس کے سامنے پرفضا باغات لگائے اور ایک آبشار قائم کیا۔

کلیم شاعر اس چشمے کے متعلق کہتا ہے:-

انتخابے کردہ ام از گرم و سرد روزگار
اشک چشم خویش آب چشمۂ ور ناگ را

عمارات نہایت بوسیدہ اور خستہ حالت میں ہیں۔ وسیع حوض

کے نیلگوں پانی میں لاتعداد مچھلیاں ہیں جو محکمہ فشری کے زیر انتظام پرورش اور فروخت کیجاتی ہیں۔ باغ میں ہر قسم کے پھل اور پھولدار درخت بکثرت ہیں۔ پھلوں کا یہ حال ہے کہ درختوں کی شاخیں چوٹی تک پھلوں سے لد کر سربسجود ہو جاتی ہیں۔

یہاں بھی دیگر مقامات کی طرح ان پر دہرت اور سیاہا نویس پنڈتوں کا ہجوم سیر کو بالکل منغض کر دیتا ہے۔ شب باشی کے لئے یہاں انتظام ہو سکتا ہے۔

ڈاک خانہ۔ تھانہ۔ اور کچہری بھی ہے۔

جو صاحب براستہ جموں تشریف لائیں انہیں آتے ہوئے راستے میں اس چشمے اور باغات کی سیر کرتے آنا چاہیئے۔ تاکہ مزید زیر باری نہ اٹھانی پڑے۔

ککڑ ناگ کے چشمے کو بھی اِدھر ہی سے راستہ جاتا ہے۔ فاصلہ چھ میل۔ پیدل یا ٹٹو کا سفر ہے۔ سڑک کے ذریعے گاڑی کا راستہ ہے مگر پگڈنڈی کے راستے بہت سا سفر بچ جاتا ہے۔

فصل چہارم

مٹن۔ عیش مقام۔ پہلگام

پہلگام اسلام آباد سے ۲۶ میل کے فاصلے سر بفلک پہاڑوں

کے جوف میں ایک نہایت فرح بخش مقام ہے۔ اور مریض اصحاب اور کم خرچ بالانشیں خیال والے لوگوں کا گلمرگ ہے۔ پہلگام تک موٹر و لاری کے لئے فراخ سڑک جاتی ہے۔ بارش میں راستہ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔

اسلام آباد سے نکلکر چار پانچ میل کے فاصلے پر مٹن آتا ہے۔ یہ ہندوں کا بڑا تیرتھ ہے۔ یہاں عمدہ اور پختہ چشمے ہیں۔ جن میں چھوٹی مچھلیاں پلی ہوئی ہیں۔ لوگ ان کو مکئی۔ چاول وغیرہ ڈالتے ہیں اور یہ دوڑ دوڑ کر کھانے کو آتی ہیں۔ یہاں کے پروہت لمبی لمبی بہیوں والے سب جگہ سے زیادہ چپکنے والی قسم کے ہیں۔

چشمہ جات جہانگیر کی نظر مہر کے مرہون منت ہیں۔ اس جگہ پنجاب کی طرح بلیشمار دوکانیں حلوائیوں وغیرہ کی لگی رہتی ہیں۔ لوگوں کے ٹھہرنے کیلئے سرائے وغیرہ ہیں۔ سال میں کئی بار میلہ ہوتا ہے۔ اہل ہنود اپنے مردوں کے سرادھ اکثر اسی تیرتھ پر کرتے ہیں۔

یہاں سے قریب مارتنڈ کے مشہور مندر کے تاریخی کھنڈرات ہیں جوکہ قابل دید ہیں۔ فن عمارت سازی کا نادر نمونہ ہیں۔ اور اونتی پور کے منادر سے ذرا بہتر حالت میں ہیں۔ اس کی تاریخ اس طرح پر ہے۔ کہ اسلام آباد کے عقب میں راجہ للتادتیا نے ۲۵ سمۃ میں ایک بلند چٹان پر اس مندر کی بنیاد ڈالی اور اس کے ارد گرد راجہ رام دیو نے ۱۲۵۵ سمۃ میں شہر بسایا۔ پانی کا بند و بست اس نے نہایت محنت سے

کیا۔ کھاوڑ پارہ کے پہاڑ سے نہر کاٹ کر لایا۔ زمانہ کی گجرفتاری سے یہ شہر برباد ہوگیا۔ پھر مہاراجہ رنبیر سنگھ نے بہت کوشش سے اس شہر کو ۱۹۰۶ء میں بسانا چاہا۔ دریائے لمبودری سے پہاڑوں کے ساتھ سابقہ نہر لائی گئی۔ مگر شہر ویسا نہ بسا۔ البتہ اس کریوہ (چٹان) پر چند گاؤں آباد ہیں۔ یہاں چاول کی کاشت نہایت عمدہ ہوتی ہے سیب اور ناشپاتی اس مقام کی دُور دُور مشہور ہیں۔

ٹمن سے بڑھ کر راستے میں **عیش مقام** کا قصبہ آتا ہے۔ یہ جگہ کسی زمانے میں صنف نازک کے حسن کے لئے مشہور تھی۔ شاید اب بھی ہو۔ یہاں پرانی مسجد اور فقیروں کی غاریں بھی ہیں۔ نہایت بلند چٹان پر برلب سڑک واقعہ ہے۔ اس قطعہ کوہ میں کبھی تانبے اور لوہے کی کانیں تھیں۔

آگے بڑھ کر سڑک کے کنارے ایک نالہ ملتا ہے جو پہلگام تک جاتا ہے۔ اس کا پانی نہایت زور سے چلتا ہے۔ اور نہایت سرد اور شیریں ہے۔ رنگ بالکل دُودھ کی طرح سفید ہے۔

پہلگام ایک موسمی مقام آبادی ہے۔ پہلے اتنی رونق نہ ہوتی تھی۔ مگر جب سے سیاحوں کی آمدورفت زیادہ ہوگئی ہے۔ گرمیوں میں دوکانیں وغیرہ کھل جاتی ہیں۔ ڈاک خانہ اور تھانہ قائم ہوجاتا ہے۔ ساون پورنماشی کے ایام جبکہ امرناتھ یاترا کے لئے تمام ہندوستان کے طول و عرض سے لوگ یہاں آکر جمع ہوتے ہیں۔ تو یہاں کی آبادی

اور رونق چند سو سے کئی ہزار تک ہو جاتی ہے۔

پہلگام سطح سمندر سے ۰۰۰، ۷ فیٹ بلند ہے۔ آب و ہوا نہایت صحت بخش اور خوشگوار ہے۔ ایک طرف دودھ جیسا نالہ زور شور سے بہتا ہے۔ سامنے سر بفلک پہاڑ سبز پوش اور پھولوں سے لدے ہوئے۔ چیل کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی ڈھلوانیں۔ جن میں چشموں کا پھوٹ پھوٹ کر بہنا۔ دور امرناتھ اور کھلائی کی برف پوش چوٹیاں عجیب بہار دیتی ہیں۔ بہت سے ہندوستانی تو پہلگام ہی میں دن گذارتے ہیں۔ کبھی جوئیبار کے کنارے کبھی دور پہاڑی کی کنج میں جہاں جی چاہے خیمے لگا کر رہتے ہیں۔ جولائی سے اگست تک موسم خوشگوار رہتا ہے۔ بارش عموماً ہوتی رہتی ہے۔ گرم کپڑے۔ بارانی کوٹ۔ دوہری چھت کے خیمے ضرور ہمراہ لے جانے چاہئیں۔

جب بہت آدمی جمع ہو جاتے ہیں۔ تو یہ مقام بھی گندہ ہو جاتا ہے۔ دیسی بھائی اصول صحت سے بے بہرہ یا بے پرواہ ہو کر چاروں طرف گندگی پھیلا دیتے ہیں۔ اگر لوگ اس بات کا خیال رکھیں اور ریاست بھی ذرا توجہ صفائی کی طرف مبذول رکھے تو کسی قسم کی شکایت پیدا ہو۔

بعض سل اور تپدق کے مریض مہینوں پہلگام میں ڈیرے ڈال کر بیٹھ جاتے ہیں۔ چند قابل ڈاکٹروں کی رائے ہے۔ کہ تپدق کے مریضوں کے لئے پہلگام کی آب و ہوا برداشت سے زیادہ سرد ثابت ہو کر بجائے فائدے کے نقصان دیتی ہے۔ پختہ مکانات کی عدم موجودگی۔ بارشوں

میں تنگ وتاریک خیموں کی رہائش مزید باعث تکلیف ہوتی ہے۔
اس لئے ایسے مریضوں کا ہوٹل وغیرہ کی صحت گاہوں میں ہی رہنا
بہتر ہے۔ جہاں عمدہ رہائش کے سامان کے علاوہ ریاست کی طرف
سے طبی امداد بھی بوقت ضرورت ملجاتی ہے۔

پہلگام میں رہکر خوب اِدھر اُدھر کے چکر لگا کر سیر کرنی چاہیئے۔
اوپر پہاڑوں میں ریچھ اور چیتے اکثر نمودار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اکیلے
دوکیلے بغیر مسلح ہوئے نہ جانا چاہیئے۔ پہلگام میں ایک اور بات قابل
بیان ہے کہ یہاں صبح وشام اور رات کو بالکل سناٹے کی ہوا نہیں چلتی۔
سورج نکلنے پر البتہ خوشگوار ہوا چلتی ہے۔ مگر شام ہونے سے پہلے بند ہو
جاتی ہے۔ حالانکہ اور جتنے مقامات بھی پیر پنچال کے دامن میں واقع ہیں
وہاں نہایت سرد اور تیز ہوائیں انسان کا ناک میں دم کر دیتی ہیں۔

پہلگام کے قریب دو ایک قابل دید مقامات ہیں:۔

بائی سرن ۔ یہ پہلگام ویلی سے تین میل اوپر چیل کے درختوں کی پہاڑیوں
میں ایک گلمرگ کی طرح مگر اس سے چھوٹا میدان ہے۔ نہایت ہی
فرحت بخش سبز پوش میدان ہے۔ گل وسبزہ کا پُر فضا جوڑ ہے۔ یہاں
بہت سے انگریزوں کے خیمے گرمیوں میں بہار رہتے ہیں۔

ٹلن ۔ بائی سرن سے آگے تین میل ہے۔ نہایت سخت چڑھائی ہے۔
کسی رہنما یا ٹٹو والے کے ہمراہ جانا چاہیئے۔ راستہ بھول جانے کا اندیشہ
ہے۔ ٹلن مقام پر دو برفانی جھیلیں نہایت خوبصورت ہیں۔ بلندی سطح

سمندر سے دس ہزار فیٹ کے قریب ہے۔ اردگرد برفانی پہاڑ۔ یہاں سے کہلائی گلیشیر کا نظّارہ بہت عمدہ و دلچسپ ہے۔

فصل پنجم

کہلائی گلیشیر

پہلگام سے کوہ کہلائی تین پڑاؤ۔ ۲۶ میل کا فاصلہ ہے۔ آمدو رفت میں دو تین روز صرف ہوتے ہیں۔ نہایت سرد مقام ہے۔ ٹٹو۔ سامان پوشش و خوراک ہمراہ لیکر جانا چاہئے۔

پہلا پڑاؤ آرڑ د۔ فاصلہ ۸ میل (بلندی ۹۰۰۰ فیٹ) چڑھائی ہے۔ اوپر سر سبز میدان نہایت فرح بخش ہے۔ ساتھ ساتھ برفانی نالہ بہتا ہے۔ گاؤں کے پاس کیمپ کی جگہ ہے۔

لیدر وٹ۔ فاصلہ ۸ میل۔ بڑی سخت چڑھائی ہے۔ ۱۱ ہزار فیٹ تک پہنچ جاتی ہے۔ انگریزوں کا قول ہے کہ لیدر وٹ ویلی تمام کشمیر میں سب سے زیادہ خوبصورت ویلی ہے۔ بالکل سوٹزرلینڈ کا جواب ہے۔ برف پوش پہاڑ۔ نالہ عظیم ڈھلوان سے بہتا ہے۔ تمام ویلی سبزہ زار۔ گل وریحان سے بھری ہوئی ہے۔ قابل دید ہے۔ دریا کئی مقام سے عبور کرنا پڑتا ہے۔ پل برف کے ہیں۔ پہلے دریافت

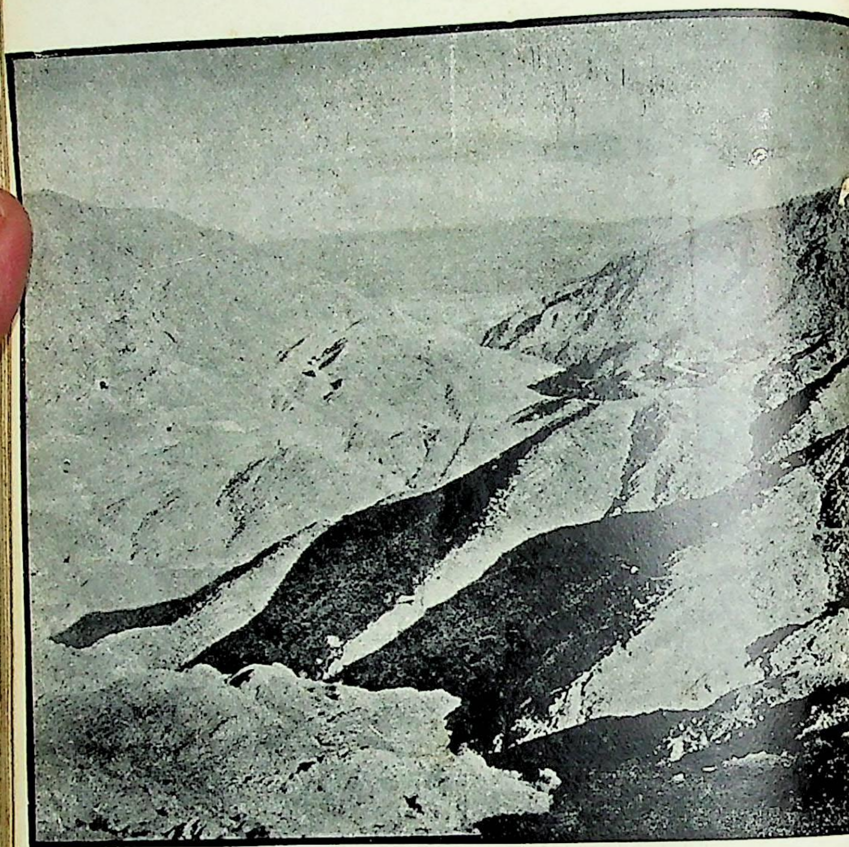
کر لینا چاہئے کہ آیا یہ برف کے پل صحیح وسلامت ہیں یا پگھل چکے ہیں۔

کہلائی گلیشیر۔ فاصلہ ۱۰ میل لیدروٹ ویلی سے۔ بلندی ۱۳ ہزار فیٹ۔

لیدروٹ سے آگے چلکر علاقہ برفانی شروع ہوجاتا ہے۔ نالہ بلند پہاڑیوں پر سے آبشاریں بناتا ہوا گرتا ہے۔ اس پر برف کے پل قدرت نے بنائے ہوئے ہیں۔ جن پر سے سیاح گذرتے ہیں۔ ہر طرف برف ہی برف ہے۔ یہاں برف کے مشہور گلیشیر ہیں۔ جن کا نظارہ دیکھکر انسان انگشت بدنداں رہجاتا ہے۔ سردی سخت ہوتی ہے۔

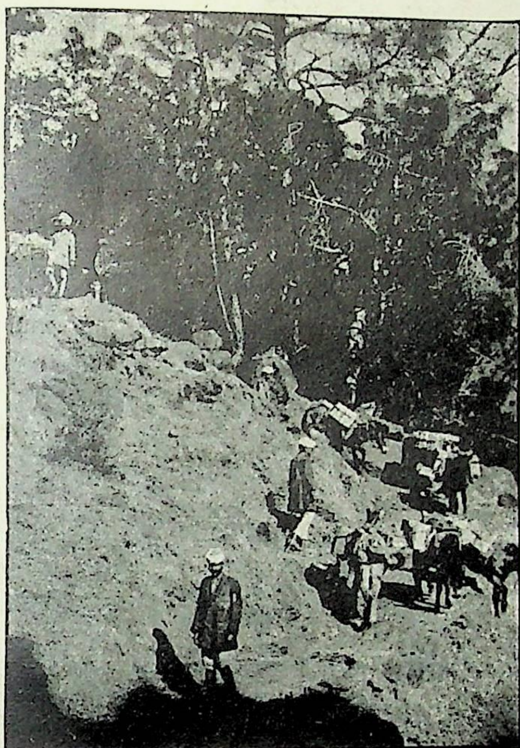
چاروں طرف جدھر نظر جاتی ہے برف ہی برف دکھائی دیتی ہے۔ کہلائی گلیشیر کی اصلی بلندی ۱۷۸۰۰ فیٹ ہے۔ ازل سے اس پہاڑ پر اسی طرح برف پڑی ہوئی ہے۔ کم نہیں ہوتی۔ بلکہ بڑھتی جاتی ہے لق ودق برف کے میدانوں اور پہاڑوں کا نظارہ بھی ایک نہایت ہیبتناک منظر ہے۔





برفستان کشمیر (لدروت ویلی)

"THE NEW UNION" PRESS, LAHORE.



کشمیر کی دلفریب پہاڑی ڈھلوانیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

باب یازدہم

امرناتھ یاترا

امرناتھ جی کی یاترا کا مقام ایک دشوار گذار برف پوش پہاڑ کی بلندی پر گُفہ یا غار ہے۔ ہندوستان کے طول و عرض کے تمام ہندو یہاں کی یاترا کرنا سعادت دارین خیال کرتے ہیں۔ عموماً ماہ ساون کے آخر ہفتے میں اس مقام پر یاتریوں کے قافلے جاتے ہیں۔ جن میں بنگال۔ بمبئی اور راس کماری تک کے اہل ہنود۔ مرد۔ عورت۔ بچے۔ بوڑھے۔ سادھو۔ فقیر ہر قسم اور ہر پوزیشن کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔

سنہ ۱۹۲۸ء کی امرناتھ یاترا کے موقع پر معمول سے زیادہ بارش کی کثرت کی وجہ سے یاتریوں کو جن کی تعداد آٹھ۔ دس ہزار کے درمیان تھی نہایت ہی تکلیف برداشت کرنی پڑی۔ ہم ان ایام میں اسی جگہ موجود تھے۔ سینکڑوں جانیں سردی اور سامان کی کمی کی وجہ سے ضایع ہوگئیں۔ جن کا نہایت ہی افسوس ہے۔

مگر حیرت کی بات ہے کہ اس اتلاف جان کا الزام ریاست کے سر تھوپا جاتا ہے۔ جو کہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ اس کی وجہ دراصل یاتریوں کی اپنی غفلت اور صریحاً ناعاقبت اندیشی ہے۔

ہماری آنکھوں نے جو نظارہ دیکھا اور یاتریوں کی عام بے سرو سامانی اور بے پرواہی کا جو عالم ہماری نظروں سے گذرا نذر قرطاس کرتے ہیں۔ تاکہ آئندہ یاتریوں کے کان ہو جائیں اور وہ گھر سے بہتر انتظام کر کے چلیں تاکہ ان کی اپنی جانیں بھی محفوظ رہیں۔ اور ریاست کے کارکنوں کو بھی بلا وجہ مورد الزام نہ بنائیں۔

ماہ ساون کے نصف گذر جانے پر پہلگام میں دور دور کے مختلف الوان و لباس کے لوگ۔ پیدل۔ ٹٹو۔ ٹانگہ۔ لاری۔ موٹر کے ذریعے جمع ہونے لگے۔ اور ۲۶ راگست تک پہلگام کی حملہ وادی آٹھ دس ہزار یاتریوں کے جم غفیر سے پُر ہو گئی۔ جا بجا خیمے۔ چھولداریاں ٹاٹ کے پردے۔ خس و خاشاک کی جھونپڑیاں کھڑی ہو گئیں۔

کسی صاحب دول و ثروت کے دوہری چھت کے خیمے۔ رنگا رنگ کی پوشاکیں۔ زرنگار ساڑھیاں۔ شالوں پر پشمینے کی بیش قیمت چادریں پڑی ہوئی۔ یہ طبقہ امراء کا ہے۔ خدمت کو نوکر چاکر موجود۔ عورت مرد بچے۔ جوان۔ بوڑھے ہر عمر کے آدمی موجود۔

دوسرا طبقہ درمیانی لوگوں کا۔ پٹی اور پٹو کے لباس میں ملبوس۔ چھوٹے چھوٹے خیموں میں مکین۔ اپنا چولہا۔ اپنی ہانڈی کے سامان سے لیس۔

تیسرا طبقہ جنکی تعداد ہزاروں کی تھی۔ فاقہ مست۔ خانہ بدوش۔ سنت۔ سادھو۔ زرد زرد دھوتیوں میں ملبوس۔ سوائے ایک دھوتی

پھٹے پرانے کمبل اور ایک لُٹیا اور ٹیک دار ٹیڑھے ڈنڈے کے اور کچھ اساسہ نہیں۔ گلے میں کرتے یا قمیص کی بجائے بیسیوں قسم کی لکڑی کے نگے۔ موٹی موٹی کوڑیوں کی مالائیں پڑی ہوئی۔ ماتھے پر ہلدی اور زعفران کا لیپ۔ آنکھیں بھنگ اور چرس کے نشے میں غیض میدان میں جہاں کسی کا سینگ سمایا پڑے ہوئے۔ بعض ایسے پیر فرتوت کہ باوا آدم کے ہم عصر معلوم ہوتے تھے۔ سر سے پیر تک بال برف جیسے سفید۔ کمر دس جگہ سے خم۔ منہ میں دانت کا نام نہیں۔ کان و آنکھ کی طاقتیں مدت سے پنشن پر چلی گئی تھیں۔ خشک ہڈیوں کا جاندار پنجر جو گوشت کی بجائے صرف فرسودہ کھال سے منڈھا ہوا۔ ڈنڈے کے سہارے اِدھر اُدھر بھیک مانگ مانگ کر یاترا کے لئے آتے ہیں۔ ایسی حالت بیشتر یاتریوں کی تھی۔ عموماً بڑی عمر کے مرد و عورت کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

ان کے علاوہ ایک اور طبقہ تھا وہ ان سے بھی بڑھکر تھا۔ بدن پر کپڑے کا نام نہیں۔ صرف ایک لنگوٹی عریانی کی پردہ پوش۔ سر پر لمبی لمبی جٹائیں۔ بدن پر لوگوں کے چولہوں کی خاک ملی ہوئی۔ ہاتھ میں ٹیڑھا سا ڈنڈا اور ناقوس۔ گلے میں بیسیوں مالائیں۔ کوئی جگن ناتھ جی کی اور کوئی کالی ماتا کی اور کوئی دوارسمندر کی۔ غرضیکہ ہر ایک زیارتگاہ کی یادگار کا سرٹیفکیٹ گلے میں پڑا ہوا۔ آنکھیں جوشِ عقیدت یا چرس کے دھوئیں سے نیم باز اور سُرخی مائل۔ بھلے آدمی کا بچہ

اگر شکل دیکھ پائے تو ڈر کے مارے گھگھی بندھ جائے۔ نہ رہایش کا انتظام نہ خوراک کا بندوبست۔

بعض فوجی پنشنر تارک الدنیا پولیس کے پُرانے گنہگار۔ عفو تقصیرات صوری و معنوی کے لئے۔ بڑے بڑے پیٹ والے بنئے۔ اک تاری ململ کی دھوتیاں پہنے۔ ساتھ انکی بیویاں۔ فرزندارجمند کی پیدائش کے ارمان دلوں میں بھرے۔ امرناتھ جی کے درشن کے لئے سفر بعید مدّت ما یدیں بصرف کثیر طے کر کے پہنچے ہیں۔

ناظرین مذکورہ بالا اقسام کے لوگوں کا آٹھ دس ہزار کا اژدہام پہلگام میں پڑا تھا۔ ہزاروں کے پاس نہ رہنے کو خیمہ۔ نہ پہننے کو کپڑا۔ نہ اوڑھنے کو کمبل۔ نہ جیب میں پیسہ۔ عمریں ڈھلی ہوئیں۔ بدن میں طاقت نابود۔ ضعف اعصاب رگ و ریشے سے نمایاں۔ اور اس پر سفر کشمیر کا اور پھر ایسی دشوار گذار پہاڑیوں اور جانکش بلندیوں کا سفر۔ جہاں سرد ہوا کے یخ جیسے فراٹے رُوح کو سرد کر دیں۔ جہاں ندی نالوں پر بجائے لکڑی پتھر کے برف کے پل قدرت نے بنائے ہوں جہاں کے پانی کی خنکی اور ٹھنڈک سے برف بھی مات ہو جائے۔ پھر وہاں جوش عقیدت میں اشنان اور پھر ۱۶ ہزار فیٹ کی برف پوش چوٹی پہ امرناتھ کی گفہ میں جانا اور اس پہ بارش اور برفباری کبھی کبھی مستنزاد۔

ایسی حالت میں آپ خود ہی خیال فرمادیں کہ ان لنگوٹی پوشش

بے سروسامان بڈھوں اور بڑھیوں اور بچّوں کا جانا اور مر جانا کچھ تعجب کی بات نہیں۔ اسطرح یاترا کرنا گویا خودکشی کرنا ہے۔ اور پھر اہل ریاست اور سرکاری کارکنوں کا بدنام کرنا کہ کچھ انتظام نہ تھا بالکل خلاف عقل ہے۔ ریاست کہاں تک انتظام کرے۔ کس کس کو ڈھانپے۔ کس کس کی دوا درمن کرے۔ کس کس کو خوراک دے۔

پھر بھی ہزاروں کمبل ریاست کی طرف سے اور دیگر مخیر لوگوں کی طرف سے بانٹے جاتے ہیں۔ سدابرت کھولے جاتے ہیں۔ لنگر خانے جاری ہوتے ہیں۔ سفری ہسپتال ہمراہ ہوتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ مکتفی نہیں ہو سکتا جب تک یاتری خود کچھ نہ کچھ عقل سے کام لیکر اس کٹھن سفر کے لئے ذاتی تیاری اور سامان سفر مہیا نہ کریں۔ گھر سے ننگے دھڑ ننگے پا برائے نام سامان زاد سفر لیکر ایسے سخت برفانی مقام کے لئے چل پڑنا نہایت کوتاہ اندیشی ہے۔ اپنے اور دیگر لوگوں کے لئے باعث تکلیف و پریشانی ہے۔

ہدایت۔ ہر ایک شخص کو خواہ امیر ہو یا غریب مندرجہ ذیل اشیاء ضرور اپنے ہمراہ لیجانی چاہئیں۔ کیونکہ سفر ایسے سرد مقام کا ہے کہ میدانی علاقے میں سخت سے سخت سردی میں بھی ایسی ٹھنڈک نہیں پڑتی۔ عام حالت میں تھرمامیٹر کا پارہ ۵۰ درجے تک رہتا ہے اور بارش کے موقع پر بعض دفعہ صِفر کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ راستے میں ایسی تند و تیز اور نہایت سرد ہواؤں کے دروں میں سے گذرنا پڑتا

ہے کہ گرم سے گرم کپڑے اور پوستینوں میں بھی بدن کانپ اٹھتا ہے۔
بعض علاقے میں کسی قسم کی روئیدگی نہیں۔ نہ درخت نہ جھاڑیاں نہ گھاس
نہ پھوس کچھ نہیں ہوتا۔ آگ جلانے کو جب تک پہلے سے لکڑی وغیرہ نہ
لیجائی گئی ہو وہاں کچھ نہیں ملتا۔ چڑھائی اسقدر سخت اور جانکش ہے کہ
آدمی جوں کی طرح چل سکتا ہے۔ جوان آدمی کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں
ٹوٹ چور ہو جاتے ہیں تو بھلا ان پیدل بڈھے بڑھیوں کا کیا ٹھکانا ہے۔
اور اس پر سرد ہوا کے تھپیڑے اور اگر بارش ہو جائے تو قدم پتھروں پر
جمانا مشکل۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایسے سفر کے لئے ضروری سامان کر
لیا جائے۔

ہر ایک کو ڈبل چھت کے چھوٹے خیمے (جنکا کرایہ پانچ سات روپیہ
ماہوار ہوتا ہے) لیجانے چاہئیں۔ دو تین کمبل۔ پٹی کی ڈبل پوشاک۔
پنڈلیوں کیلئے گرم پٹیاں۔ گرم موزے۔ اونی کنٹوپ دبیز۔ موٹے
اور بڑے تولئے جنکو اشنان کے بعد فوراً بدن پر لپیٹ کر بدن خشک
کر لیا جائے۔ گدے جن میں بجائے روئی کے نرم نرم گھاس بھری ہوئی
ہو۔ یا سفری چارپائی۔ خوراک کے لئے حسب ضرورت اشیاء یا روپیہ
موجود ہو۔ گرمائی پیدا کرنے کیلئے چائے اور گڑ کا استعمال مفید ثابت
ہوتا ہے۔ قلی آسانی سے میسر آجاتے ہیں۔ مگر پہلے سے انتظام کر لینا چاہئے
۸ / سے لیکر ایک روپیہ فی دن کے حساب سے ان کو دینا پڑتا ہے۔ اگر
مونجھ کی چپلیاں جو وہاں سے عام مل سکتی ہیں۔ اپنے بوٹوں یا جوتیوں کے

اوپر پہن لی جائیں تو چلنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اور ایک لمبا مضبوط ڈنڈا جس کی ایک طرف لوہے کی نوکدار شام لگی ہو ہمراہ ضرور رکھنا چاہیئے۔

ٹٹو بھی عام کرایہ پر مل جاتے ہیں۔ اس پر بھی اگر کوئی یاتری بیمار ہو جائے تو ریاست کی طرف سے ڈاکٹر۔ دوائی ہر ایک چیز مفت مہیا کی جاتی ہے۔ اس طرح اگر سفر یا یاترا کی جائے تو اس بے پناہ سرد مقام کی یاترا نہایت احسن طریقے پر ہو سکتی ہے۔ پچاس ساٹھ روپیہ میں آدمی ضروری سامان سفر بہم پہنچا سکتا ہے۔ اور بخیر و عافیت گھر کو لوٹ سکتا ہے۔ جو لوگ اتنا بھی خرچ نہیں کر سکتے وہ دراصل یاترا کو نہیں جاتے موت سے کھیل کھیلتے ہیں جسکا نتیجہ معلوم!

پہلگام میں ٹٹو۔ پالکی اور قلیوں کا ایک ٹھیکیدار ریاست کی طرف سے مقرر ہوتا ہے۔ اسکی معرفت مذکورہ بالا اشیاء میں سے جس چیز کی ضرورت ہو کرایہ پر لینی چاہیئے۔

کرایہ حسب ذیل ہے

سواری کا ٹٹو جس کے ساتھ ایک آدمی ہوتا ہے۔ پنج تارنی تک چھ روپیہ آنے جانے کا۔ باربرداری کا ٹٹو۔ ساڑھے چار روپیہ آنے جانے کا۔ اگر دو تین گھوڑے لئے جائیں تو ایک آدمی ٹھیکیدار کی طرف ساتھ ملتا ہے۔ پالکی۔ بمعہ ۸ قلی یا کہار۔ آنے جانے کا ۳۶ روپیہ سے لیکر ۴۰ روپیہ تک۔ قلی جن کو یہاں ہپھو کہتے ہیں۔ ۸ر فی دن۔

بعض لوگ میلہ کے موقعہ پر امرناتھ جی جانا پسند نہیں کرتے۔ پہلے ہو آتے ہیں۔ تاکہ جمِ غفیر اور بھیڑ بھاڑ کی تکلیف سے بچ جائیں۔ اکیلے دوکیلے کا اس منزل کو طے کرنا نہایت مشکل ہے۔ پانچ دس یاتری۔ پانچ دس مزدور اپنے ساتھ لیکر جاتے ہیں۔ راستہ جون سے اگست کے آخر تک عموماً قابل گذر ہوتا ہے۔ بعض بالائی مقامات پر ہوا اسقدر تیز اور لطیف ہوتی ہے۔ کہ سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اکٹھے ہو کر جاتے ہیں۔ جس سے ہوا ذرا کثیف ہو کر انسان کے سانس لینے کے قابل ہو جاتی ہے۔ بعض مقامات پر سردی صفر درجے سے بھی کئی درجے کم ہوتی ہے۔

آمدم بر سر مطلب۔ ۲۷ اگست کو یاتریوں کے قافلے نے پہلگام چھوڑنا تھا۔ چھڑی بھیروں کے استھان کے مہنتوں کے قبضے میں تھی۔ بارش کئی روز سے ہو رہی تھی۔ مگر یاترا کے فدائیوں کا جوش عقیدت بارش سے پھیکا نہ پڑا۔ اور یہ کئی ہزار کا قافلہ دن چڑھے روانہ ہونے لگا۔

پہلگام سے آگے چلکر مسلسل چڑھائی شروع ہو جاتی ہے۔ دودھ جیسا نالہ سڑک کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ پہلا مقام چندن واڑی میں کیا جاتا ہے۔ جو آٹھ ساڑھے آٹھ میل کے فاصلے پر ایک بلند سطح مرتفع پر دشوار گذار پہاڑوں پر واقعہ ہے۔ یہاں گوجروں اور مسلمانوں اور ہندوؤں کی ایک ملی جلی چھوٹی سی بستی ہے۔

یہاں کے باشندے یاتریوں کے ہاتھ بھوج پتر کی لنگوٹیاں۔ مونج کی قسم کے بان کی چپلیاں و دیگر ضروری اشیاء فروخت کرتے ہیں۔

چندن واڑی کی بلندی سطح سمندر سے ۹۵۰۰ فیٹ کے قریب ہے۔ تمام دامن کوہ سبزے اور گل وریحان سے پٹا پڑا ہے۔ دودھ جیسے سفید اور برف سے زیادہ سرد پانی کے ندی اور نالے بکثرت راہ میں ملتے ہیں۔ چیل وکیل کے بیشمار درخت پہاڑوں کی چوٹیوں تک چھائے ہوئے ہیں۔ اگر موسم صاف ہو اور جولائی کا مہینہ ہو تو یہ مقام بہشت ہوتا ہے۔ یاتری پہلا پڑاو چندن واڑی میں کرتے ہیں۔ یہاں ایک اچھا خاصہ میدان ہے جہاں یاتری خیمہ زن

چندن واڑی سے ۸ میل کے قریب دوسرا پڑاو ششیش ناگ آتا ہے۔ راستہ نہایت دشوار گذار۔ سڑک نام کی محض پگڈنڈی۔ بارش میں پھسل جانے کا امکان قدم قدم پر۔ چندن واڑی سے نکلکر تھوڑی دور پر دو برف کے یخ بستہ پل برفانی نالے پر قدرتی بندھے ہوتے ہیں۔ برف ہزاروں برس سے پڑ پڑ کر سخت پتھر کی طرح ہو چکی ہے۔ آدمی اس پر سے بلا تکلف گذرتے ہیں۔ پلوں کے نیچے نالوں کا پانی بہتا ہے۔ اور برفانی خوشنما آبشار بناتا چلا جاتا ہے۔ نہایت دلکش نظارہ ہے۔

چندن واڑی سے آگے بڑھکر قریب ۵ میل کے فاصلے میں ڈیڑھ ہزار فیٹ کی بلندی طے کرنی پڑتی ہے۔ یہ چڑھائی نہایت سخت ہے۔ اسے "پسو گھاٹی" یا "جوں گھاٹی" کہتے ہیں۔ نہایت رینگ رینگ کر چلنا ہوتا ہے۔ پانچ میل کی چڑھائی کے بعد زوجپال کا علاقہ آجاتا ہے۔ درخت اور ہر قسم کی روئیدگی کی آخری سرحد ہے۔ سامنے کہلائی کی برف پوش چوٹیاں دکھائی دیتی ہیں۔ دریا نیچے ایک ہزار فیٹ کی نچائی میں غار میں سانپ کی طرح

بہتا نظر آتا ہے۔

پھر کچھ اترائی آکر چھوٹے چھوٹے میدان دریا کے دونوں طرف سبزے اور پھولوں سے لدے ہوئے ملتے ہیں۔ دریا کو متعدد بار برف کے پلوں کے ذریعے عبور کرنا پڑتا ہے۔ زوج پال میں بھی مقام کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں کے مرگ یعنی میدان شیش ناگ سے بہتر ہیں۔ جلانے کے لئے لکڑی یہاں کافی مل سکتی ہے۔ بلندی ۱۱۳۰۰ فیٹ ہے۔ مگر یاتری تین چار میل آگے بڑھکر شیش ناگ ہی میں جا کر پڑاؤ کرتے ہیں۔

جملہ معترضہ۔ زوج پال سے جنوب کی طرف تھوڑے فاصلے پر ایک پگڈنڈی کوٹی چھ۔ سات سو فیٹ کی بلندی پر ایک نہایت خوبصورت جھیل "سونا سر" کو جاتی ہے۔ اس جھیل کے اردگرد بلند برف پوش پہاڑ ہیں۔ جن کا عکس پانی میں نہایت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اس جھیل اور اس کے اردگرد کا نظارہ قابل دید اور ناقابل فراموش ہے۔

زوج پال سے شیش ناگ تک اترائی کم اور چڑھائی زیادہ ہے۔ شیش ناگ کی بلندی سطح سمندر سے ساڑھے بارہ ہزار فیٹ ہے۔ یہ ایک نہایت سرد پانی کا ایک عظیم برفانی چشمہ ہے۔ چشمہ کیا ہے ایک اچھی خاصی جھیل ہے۔ اس کا سبز گوں پانی جس میں برف کے ٹکڑے تیرتے پھرتے ہیں نہایت دلکش اور قابل دید منظر ہے۔

اس جھیل میں سے دریائے لمبودری نکلتا ہے۔ ماہ جون تک یہ

جھیل یخ بستہ رہتی ہے ۔ اردگرد سر بفلک پہاڑوں کی چوٹیاں ہیں۔ اور ان سے پرے کوہ نور کی برف پوش چوٹیاں دکھائی دیتی ہیں ۔

شیش ناگ سے پنج تارنی۔ فاصلہ ۱۱ میل۔ چڑھائی شروع ہو جاتی ہے ۔ اور ایک درّہ کوہ کو ۱۴۰۰۰ فیٹ کی بلندی پر عبور کرنا پڑتا ہے ۔ یہاں ہوا کا زور اور اسکی سردی اسقدر جانکش ہوتی ہے کہ ہمارے بہت سے ننگ دھڑنگ سادھو لقمۂ اجل ہو جاتے ہیں ۔ پھر اترائی شروع ہوتی ہے ۔ سامنے امرناتھ کا بے آب وگیاہ پہاڑ ایک ہیبت ناک منظر پیش کرتا ہے ۔ راستے میں پانچ برف کے پانی کی ندیاں ملتی ہیں ۔ یاتری ان میں اشنان کرتے جاتے ہیں ۔ دریا چار دفعہ عبور کرنا پڑتا ہے ۔ جولائی میں برف کے بعض پل پگھل چکے ہوتے ہیں ۔ یاتری کسی نہ کسی طرح ان برفانی ندیوں کو عبور کرتے ہیں ۔ یہاں کوئی لکڑی بالن نہیں ۔ ایک خاص قسم کی گھاس ہوتی ہے ۔ اور وہی غنیمت ہے ۔ اسے اکھیڑ کر جمع کر لینا چاہیئے ۔ کیونکہ آگے یہ بھی مفقود ہے ۔ شب باشی پنج تارنی کے مقام پر ہوتی ہے ۔

۱۹۲۸ء کی یاترا میں بہت سی جانیں اس حصّہ سفر میں سردی کی شدت پوشاک اور ایندھن کی کمی کے باعث ضایع ہوئیں ۔

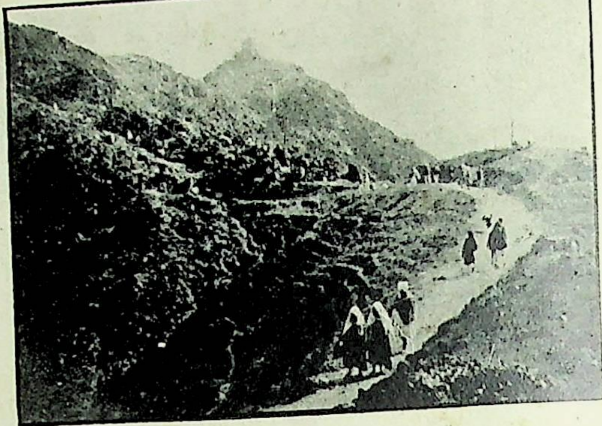
آدھی رات سے یاتری امرناتھ جی کی غار کی طرف جھنڈا لئے ۔ بھجن گاتے ہوئے روانہ ہوتے ہیں ۔ اپنا تمام اسباب مزدوروں کے سپرد کر جاتے ہیں ۔ پنج تارنی سے امرناتھ جی کا فاصلہ ۵ میل ہے ۔ ہزار فٹ کے

کے قریب چڑھائی ہے۔ بیرو گھاٹی یا بیراگی گھاٹی کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ یہاں ایک نہایت تنگ و طویل غار ہے۔ یاتریوں کو ایک ایک کرکے گذرنا ہوتا ہے۔ یہاں نہایت تیز اور سرد ہوا کے جھکڑ چلتے ہیں۔ بہت سے یاتری تو اسی جگہ نذر اجل ہو جاتے ہیں۔ پچھلے سال سردی کی اسقدر شدت تھی۔ کہ جو قافلہ یا گروہ پہلے پہل اس غار میں سے گذرنے کے لئے بڑھا اس میں سے ایک بھی سلامت نہ بچا۔ سرد ہوا نے اسطرح تہ کر دیا۔ جیسے بجلی گر پڑی۔ بہت کم آدمی جان سلامت لے جا سکے۔ سرکاری آدمیوں نے ہدایت بھی کی کہ غار میں سے گذرنا خطرناک ہے۔ یاترا نہ کی جائے مگر لوگ جو سینکڑوں ہزاروں میل کا سفر طے کرکے آئے تھے۔ کب سنتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے سادھو اور دیگر یاتری لقمہ اجل ہو گئے۔

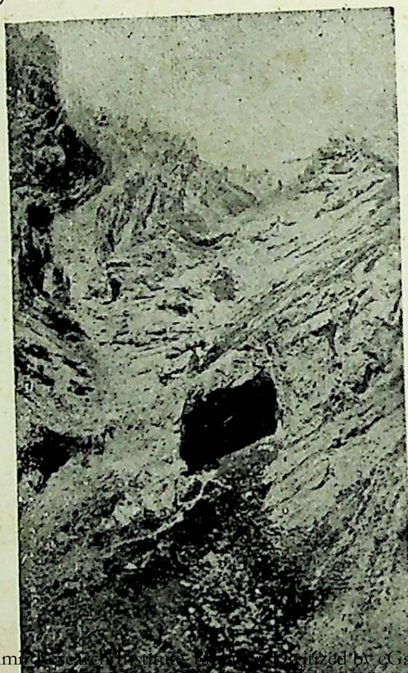
غار طے کرنے کے بعد اترائی آجاتی ہے۔ نیچے دریائے امراوتی کا دودھ جیسا پانی بل کھاتا ہوا گذرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس میں کہیں پانی اور کہیں برف کے ٹکڑے کناروں پر جمے دکھائی دیتے ہیں۔ اس ندی کا پانی متبرک خیال کیا جاتا ہے۔ یاتری اسے صراحیوں میں بھر بھر کر اپنے ہمراہ اپنے اپنے وطن کو لیجاتے ہیں۔

اس ندی کے پاس امرناتھ جی کا استھان ہے۔ یہ ایک ڈیڑھ سو فیٹ مربع غار ہے۔ یہاں کوئی مہنت نہیں رہتا۔ بھیروں کے استھان کا مہنت جو جھنڈا لیکر آتا ہے وہی نذرانہ چڑھاوا وصول کرتا ہے۔

اس غار میں ایک برفانی چشمہ ہے۔ جس کی صورت برف کے

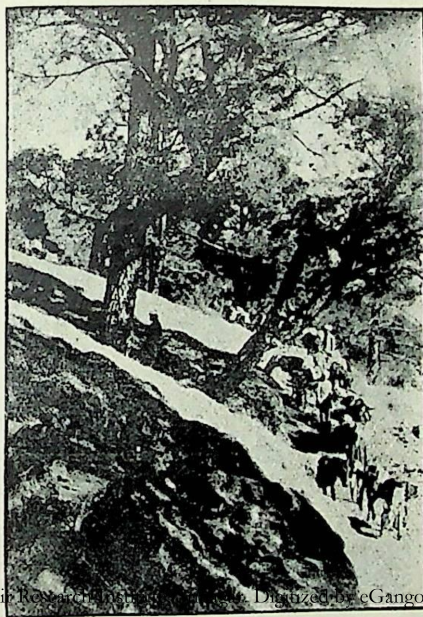


مندر شنکر اچاریہ سرینگر (تخت سلیمان)



سری امرناتھ جی کی گفہ

آب رواں۔سبزہ زار وادی و برف پوش چوٹی



پیدل سیاحوں کا طرز سفر کشمیر

شولنگ کی سی ہوتی ہے۔ پانزادالے دن اس پر اسقدر چڑھاوے کی اشیاء چڑھتی ہیں کہ یہ شولنگ اس میں بالکل ڈھک جاتا ہے۔
عقیدتمند کہتے ہیں کہ یہ لنگ چاند کے گھٹاؤ بڑھاؤ کے مطابق گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ اور حالانکہ اس مقام پر کہیں برف نہیں۔ مگر یہ لنگ برف کا ہے۔
مگر قرین قیاس بات یہ ہے۔ کہ اوّل تو کسی نے وہاں رہکر اس کے گھٹنے بڑھنے کا مشاہدہ نہیں کیا کیونکہ سردی اسقدر سخت ہوتی ہے کہ رات وہاں گذارنا۔ طبقۂ زمہریر میں شب باشی کرنا ہے۔ دوسرے اس کے گھٹنے بڑھنے کا حساب چاند کی کشش سے وابستہ ہے اور دریائی جوار بھاٹے کا حساب ہے۔ شدّت سردی سے جو پانی چشمے کی صورت میں چٹانوں کی دراڑوں میں سے رستا ہے اور جم کر۔ ایک لمبوتری شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہی شولنگ ہے۔
سب یاتری ایک ایک کر کے اس غار میں درشنوں کو جاتے ہیں۔ مرادیں مانتے اور نذریں چڑھاتے ہیں۔ اس موقعہ پر ایک سفید کبوتروں کا جوڑا غار سے نکلکر دو تین بار غار کا چکر لگا کر پھر اسی میں غائب ہو جاتا ہے۔ اس کا دیکھنا امرناتھ جی کا درشن کہلاتا ہے۔ جو بدقسمتی سے نہیں دیکھ سکتا وہ درشنوں سے محروم سمجھا جاتا ہے۔
درشن کرنے کے بعد فوراً ہی یاتری واپس پنج تارنی کے مقام پر آجاتے ہیں۔ اور پھر وہاں سے کوچ در کوچ پہلگام پہنچ جاتے ہیں۔

واپسی پر اکثر جابیں سردی اور کمی خوراک ولباس سے ضایع ہو جاتی ہیں۔ جو لوگ ضروری سامان سے ملبس ہو کر جاتے ہیں وہ اکثر بخیر و خوبی واپس آجاتے ہیں۔

باب دوازدہم

جمّوں سے سرینگر پیدل

براستہ اُودھم پور۔ بٹوٹ۔ درّہ بنیہال

کس قدر اسرار سے معمور ہے یہ سرزمیں
اک ادائے دلکشی کے ساتھ ہے لعنت آفریں
حضرت جوش ملیح آبادی

بہت سے منچلے۔ فطرت نثار۔ صحت و تفریح کے متلاشی۔ اس فردوس نما وادی و مافیہا کی سیر پا پیادہ کر کے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں۔ سبزہ زار کی بہار۔ لطف کوہ و دریا و آبشار۔ مناظر گلہائے رنگین و عطر بار۔ سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہیں۔ مگر وہ راستے کی ناواقفیّت۔ اور دیگر لاعلمیّت کی وجوہات سے کشاں کشاں بذریعہ موٹر یا لاری اندرون کشمیر پہنچ جاتے ہیں۔ ورنہ جو لطف سیر و تفریح پیدل سفر میں ہے۔ وہ سواری میں کہاں

اگر وادئی کشمیر عروس شکیل در لباس حریر کا نظارہ جی بھر کے کرنا منظور ہو اور وقت اجازت دے۔ علائق دنیا پابہ زنجیر نہوں۔ تو پیدل تشریف لے جائیے۔ اور پیدل بھی مندرجہ بالا راستے سے۔ یہ راستہ اپنی تمام نیچرل خوبصورتی کی وجہ سے لاجواب مانا گیا ہے۔

فاصلہ جموں سے سرینگر براہ سڑک موٹر ولاری ۲۰۵ میل ہے مگر پیدل سیاح کے لئے یہ لمبا راستہ نہیں اسے تو صرف سو میل کے قریب چلنا پڑیگا۔ وہ بھی ایسے پُر فضا راستوں سے کہ تمام عمر یاد رہیں کہ ہاں کبھی کشمیر کی سیر کی تھی۔

سیاحوں کی سہولیت کیلئے ہم اپنے چشمدید حالات بیان کرتے ہیں۔ ہم نے کئی بار اس راہ سے پیدل سفر کیا ہے۔ اور پوری جانچ پڑتال کے بعد وقف قرطاس کرتے ہیں۔ موسم۔ سامان مقام رہائش۔ اندازہ خرچ اور راہ کے نیک وبد سے آگاہ کرتے ہیں۔

صریح فائدے جو پیدل سفر میں ایک سیاح کو حاصل ہیں وہ الم نشرح ہیں۔ موٹر اور لاری کے جانکش ہچکولوں اور حادثات سے نجات۔ خرچ کی بچت۔ تجربہ کی وسعت۔ افزونئ صحت۔ ہر ایک دلربا نظارے اور قابل دید مقام کا جی بھر کر دیکھنا۔ ہر ایک بہتے ہوئے چشمے سے سیراب ہونا۔ یہ باتیں موٹر اور لاری کے سفر میں کہاں میسر۔

اندرون کشمیر لیجانے کے لئے بہت سے خوش منظر راستے ہیں۔ مگر یہ راستہ دیگر راستوں کے مقابلے میں اس لئے چُنا گیا ہے اور

اس وجہ سے اسے ترجیح دی جاتی ہے۔ کہ یہ سہل السفر ہونیکے علاوہ نہایت دلکش مناظر قدرت پیش کرتا ہے۔ اس راہ میں بیشمار ہاضم چشمے۔ سر بفلک بلندیاں ۔ لالہ زار وادیاں۔ آباد و حسین دیہات۔ مشہور و قابل دید شاہی عمارات ملتی ہیں۔ کھانے کا اچھا انتظام اور رہائش کا بندوبست حسب منشاء ہو سکتا ہے ۔ اور اگر خدانخواستہ کہیں راستے میں کوئی حادثہ یا بیماری پیش آجائے ۔ تو قیام کا بندوبست یا بذریعہ سواری موٹر۔ لاری فوراً سفر اختیار کیا جا سکتا ہے ۔ یہ باتیں اور یہ خوبیاں اور راستوں میں میسر نہیں۔

ایک بات اور واضح کرنے کے قابل ہے کہ اس راہ میں تقریباً تمام آبادی زیادہ تر اہل ہنود پر مشتمل ہے۔ مسلمان کم ہیں۔ پہلے اہل ہنود دوکاندار مسلمان سیاحوں کے سایۂ سے بھی گھبراتے تھے ۔ مگر اب سری حضور مہاراجہ صاحب نے یہ کشیدگی بہت کچھ دُور کر دی ہے۔ مگر پھر بھی ابھی بہت اصلاح کی لوگوں میں گنجائش ہے ۔

ہدایات :۔ (۱) عموماً جون سے ستمبر تک یہ راستہ بالکل صاف اور قابل عبور اور برف کی دست بُرد سے محفوظ رہتا ہے ۔ نیچر کے رضوانی مالی اس کی وادیوں کی چمن بندیاں کر کے سیاحوں کو محو حیرت کر دیتے ہیں ۔ ان ایام میں آنا چاہیئے۔

(۲) مثل مشہور ہے ۔ کہ "اکیلا نہ ہنستا بھلا نہ رونا بھلا"۔ اپنے ساتھ تین چار دوست و احباب ۔ ہم مزاج و ہم سن ۔ مرنجاں مرنج ہونے چاہییں ۔ تاکہ لطف سیر دوبالا ہو جائے ۔ مسکرہ جبیں بزنگ ۔ خود غرض

اور مغرور عزیز ۔ کاہل اور مریض دوست ۔ بدقماش اور بداخلاق ساتھی۔ ان سب کی معیت سے پرہیز لازم ہے ۔ ساتھی ہم مذاق اور ایک ہی پایہ کے ہوں ۔ ورنہ کشمیر تو کیا جنت کی سیر بھی دوزخ کے برابر ہے ۔ یہ ذاتی تجربہ کی بات ہے ۔ اس بات کا خیال ضرور رکھنا چاہئے ۔

(۳) سامان سفر ضروری اور مختصر ہمراہ لینا چاہئے ۔ زائد بھاری اسباب مثلاً ٹرنک وغیرہ جموں سے سرینگر کے لئے کسی موٹر کمپنی کی معرفت بُک کرا دینا چاہئے ۔ بُک کراتے ہوئے اپنے اسباب کو مضبوط ٹاٹ یا بوریوں میں اچھی طرح سی دینا چاہئے ۔ سرینگر پہنچ کر اس موٹر کمپنی کے دفتر میں جاکر رسید دکھا کر آپ اسباب وصول کر سکتے ہیں ۔ کسی قسم کے نقصان کا احتمال نہیں ۔

(۴) دوران سفر میں جو اشیاء ہمراہ رکھنا ضروری ہیں :۔

نکر خاکی ۔	قمیض خاکی ۔	بنیان ۔	کوٹ ٹھنڈا ۔
۲ عدد ۔	۲ عدد ۔	۲ عدد ۔	یک عدد ۔

گرم کپڑے وبال جان ثابت ہوتے ہیں ۔ البتہ رات کیلئے کمبل یا لوئی ۔ ایک شکاری تھیلا ہمراہ رکھنا بہت مفید ثابت ہوتا ہے ۔ چھتری ۔ لوٹا یا گڑوی ۔ گلاس ۔ امرت دھارا یا چورن کی شیشی ۔ مچھر اور پسّو مارنے کی دوائی نین کی گولیاں ۔ اور زیبق کی شیشی ۔ بوٹ ہلکا ہونا چاہئے ۔ فلیٹ ٹ بارش میں پھسلا دیتا ہے ۔ ورنہ یوں مفید ہے ۔ سامان تفریح مثلاً ئی کتاب دلچسپ ۔ تصویر کشی کا سامان یا تاش وغیرہ جس قسم کی طبیعت

اس وجہ سے اسے ترجیح دی جاتی ہے۔ کہ یہ سہل السفر ہونیکے علاوہ نہایت دلکش مناظر قدرت پیش کرتا ہے۔ اس راہ میں بیشمار ہاضم چشمے۔ سر بفلک بلندیاں۔ لالہ زار وادیاں۔ آباد و حسین دیہات۔ مشہور و قابل دید شاہی عمارات ملتی ہیں۔ کھانے کا اچھا انتظام اور رہائیش کا بندوبست حسب منشاء ہو سکتا ہے۔ اور اگر خدانخواستہ کہیں راستے میں کوئی حادثہ یا بیماری پیش آجائے۔ تو قیام کا بندوبست یا بذریعہ سواری موٹر۔ لاری فوراً سفر اختیار کیا جا سکتا ہے۔ یہ باتیں اور یہ خوبیاں اور راستوں میں میسر نہیں۔

ایک بات اور واضح کرنے کے قابل ہے کہ اس راہ میں تقریباً تمام آبادی زیادہ تر اہل ہنود پر مشتمل ہے۔ مسلمان کم ہیں۔ پہلے اہل ہنود دوکاندار مسلمان سیاحوں کے سایہ سے بھی گھبراتے تھے۔ مگر اب سری حضور مہاراجہ صاحب نے یہ کشیدگی بہت کچھ دُور کر دی ہے۔ مگر پھر بھی ابھی بہت اصلاح کی لوگوں میں گنجائش ہے۔

ہدایات:۔ (۱) عموماً جون سے ستمبر تک یہ راستہ بالکل صاف اور قابل عبور اور برف کی دست بُرد سے محفوظ رہتا ہے۔ نیچر کے رضوانی مالی اس کی وادیوں کی چمن بندیاں کر کے سیاحوں کو محو حیرت کر دیتے ہیں۔ ان ایام میں آنا چاہیئے۔

(۲) مثل مشہور ہے۔ کہ "اکیلا نہ ہنستا بھلا نہ روتا بھلا"۔ اپنے ساتھ تین چار دوست داحباب۔ ہم مزاج و ہم سن۔ مرنجاں مرنج ہونے چاہییں۔ تاکہ لطف سیر دوبالا ہو جائے۔ سیر کہ جبیں بزنگ۔ خودغرض

اور مغرور عزیز۔ کاہل اور مریض دوست۔ بدقماش اور بداخلاق ساتھی۔ ان سب کی معیت سے پرہیز لازم ہے۔ ساتھی ہم مذاق اور ایک ہی پایہ کے ہوں۔ ورنہ کشمیر تو کیا جنت کی سیر بھی دوزخ کے برابر ہے۔ یہ ذاتی تجربہ کی بات ہے۔ اس بات کا خیال ضرور رکھنا چاہیئے۔

(۳) سامان سفر ضروری اور مختصر ہمراہ لینا چاہیئے۔ زائد بھاری اسباب مثلاً ٹرنک وغیرہ جموں سے سرینگر کے لیئے کسی موٹر کمپنی کی معرفت بُک کرا دینا چاہیئے۔ بُک کراتے ہوئے اپنے اسباب کو مضبوط ٹاٹ یا بوریوں میں اچھی طرح سی دینا چاہیئے۔ سرینگر پہنچ کر اس موٹر کمپنی کے دفتر میں جا کر رسید دکھا کر آپ اسباب وصول کر سکتے ہیں۔ کسی قسم کے نقصان کا احتمال نہیں۔

(۴) دوران سفر میں جو اشیاء ہمراہ رکھنا ضروری ہیں:-

نکر خاکی	قمیض خاکی	بنیان	کوٹ ٹھنڈا۔
۲ عدد۔	۲ عدد۔	۲ عدد۔	یک عدد۔

گرم کپڑے وبال جان ثابت ہوتے ہیں۔ البتہ رات کیلئے کمبل یا لوئی۔ ایک شکاری تھیلا ہمراہ رکھنا بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ چھتری۔ لوٹا یا گڑوی۔ گلاس۔ امرت دھارا یا چورن کی شیشی۔ مچھر اور پسّو مارنے کی دوائی کونین کی گولیاں۔ اور زمبق کی شیشی۔ بوٹ ہلکا ہونا چاہیئے۔ فلیٹ بوٹ بارش میں پھسلا دیتا ہے۔ ورنہ یوں مفید ہے۔ سامان تفریح مثلاً کوئی کتاب دلچسپ۔ تصویر کشی کا سامان یا تاش وغیرہ جس قسم کی طبیعت ہو۔

اگر ہمت اور توفیق ہو تو بسکٹوں کا ڈبہ۔ اچار۔ ٹافی چاکلیٹ وغیرہ ضرورت اور مذاق کے موافق لیجائیں تو کچھ ہرج نہیں۔

ضروری نوٹ:۔ راستے میں قدم قدم پر سیاح نیچر کی گلکاریاں اور سحر کاریاں قدرتی مناظر اور انسانی صورتوں میں پائیگا۔ پائے ثبات کو متزلزل نہ ہونے دینا چاہئے۔ اس میں سراسر نقصان وزیان ہے۔ جہاں کوئی خوش نما منظر۔ دلکش سبزی۔ دلفریب صورت نظر آئی۔ ایک نیچر شناس عاقل کی نظر سے دیکھا۔ اور جلد ہٹے۔ بقول نظیر اکبر آبادی

ع ٹک دیکھ لیا دل شاد کیا خوش وقت ہوئے اور چل نکلے۔

شہد کی مکھی بننا درست نہیں۔ صاحب اخلاق اور عقلمند لوگ ہر ایک چیز میں قدرت کی کاریگری دیکھتے ہیں۔ مگر معصومانہ نظر سے۔

ہر صورت خوش دیکھ کے بھرتے نہیں آہیں
قبضے میں جگر رکھتے ہیں قابو میں نگاہیں

جموں۔ چونکہ اس راستے کے مقامات اور حالات پہلے موٹر اور لاری کے باب ششم میں دئے جا چکے۔ اس لئے ان کا اعادہ خالی از طوالت نہ ہوگا۔ قارئین کرام وہاں دیکھ سکتے ہیں۔ البتہ جو بات رہگئی ہے وہ اس باب میں تحریر کر دی جائیگی۔

جموں ریاست کا بڑا شہر ہے۔ ایک بلند پہاڑی پر واقعہ ہے۔ چونکہ توی ندی کے کنارے پر آباد ہے اس لئے اسکا نام توی بھی ہے۔ قابل دید مقامات یہ ہیں۔ شہر کے باہر ٹھنڈے پانی کی نہر۔ اگرچہ چاہے

تواس کے پانی میں آم ڈبو کر سرد کرکے نوش کیجئے یہ لطف ہمیشہ یاد رہنے والا ہے ۔

رگناتھ جی کا مندر دروازہ گنبڈ کے قریب ۔ بڑی رونق کی جگہ ہے ۔ خاصکر شام کو درشن کو آنے والوں اور پھول بیچنے والوں اور والیوں کا نظارہ اور رونق قابل دید ہے ۔ جموں اپنے خاص قسم کے موتیا کے پھولوں کے لئے مشہور ہے ۔ جیسا خوشبو دار اور بڑا پھول موتیا کا اس علاقے میں ہوتا ہے ۔ ہندوستان بھر میں نہیں ہوتا ۔ ماہ جون ۔ جولائی میں پھولتا ہے ۔

شاہی محلات ۔ نئے اور پرانے ۔ پرانے محلات شہر کے اندر ہیں ۔ انہیں منڈی بھی کہتے ہیں ۔ محل کے ارد گرد گھاس کے تختے ہیں ۔ جن میں شام کو فوارے چھوٹتے ہیں ۔ شہر کی ایک نفیس تفرج گاہ ہے ۔ ضلع کچہری دفاتر کی وجہ سے بہت رونق اور چہل پہل رہتی ہے ۔ ان کے علاوہ پرنس آف ویلز کالج ۔ عجائب گھر وغیرہ ۔

رات کو ٹھہرنے کے لئے شہر میں ہوٹل ۔ سرائے وغیرہ ہیں ۔ جہاں جی چاہے آپ ٹھہر سکتے ہیں ۔ اوّل تو ایسی گاڑی سے وہاں پہنچنا چاہئے کہ صبح کا وقت ہو ۔ تھوڑی سی سیر کی اور اسباب وغیرہ بُک کرایا ۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر بذریعہ موٹر یا لاری اودھم پور دن ہی دن میں جا پہنچے ۔

قارئین کو واضح ہو کہ جموں سے لیکر اودھم پور تک ۴۳ میل کا علاقہ

قابل سیر نہیں۔ کوئی خاص سینری نہیں جس کے لئے پاؤں توڑے جائیں۔ اور وقت ضائع کیا جائے۔ اصل پیدل سیر اودھم پور سے آگے شروع ہوتی ہے۔ اس لئے ہدایت کی جاتی ہے۔ کہ اودھم پور تک بذریعہ سواری پہنچا جائے۔

عام موٹر اور لاریاں چلتی ہیں۔ کرایہ فی کس روپیہ ڈیڑھ روپیہ تک ہوتا ہے۔ موٹر۔ لاری دو تین گھنٹے میں اودھم پور پہنچا دیتی ہے۔ اگر ۹۔ دس بجے جموں سے روانہ ہوں تو ۱۲۔ ۱ بجے تک اودھم پور پہنچ سکتے ہیں۔ اور اگر دیر ہوجائے تو شام تک یہاں پہنچ سکتے ہیں۔

اودھم پور۔ شب باشی اگر اودھم پور میں کیجائے۔ تو انتظام رہائش صاحب توفیق کے لئے۔ ڈاک بنگلہ۔ ریسٹ ہاؤس۔ اور عوام کے لئے شہر میں دوکانداروں کی بالائی منازل معمولی کرایہ پر مل سکتی ہیں۔ کھانے پینے کا انتظام اچھی طرح ہوسکتا ہے۔ ضلع ہے۔ اچھا خاصہ قصبہ ہے۔ گھی کی بھاری منڈی ہے۔

جیسا کہ باب ششم میں بیان کیا گیا ہے۔ اودھم پور (بلندی ۲۵۰۰ فیٹ) بہ ایک بلند ٹیلے پر آباد ہے۔ اور اپنی سرسبزی اور شادابی۔ حسین مناظر اور ناقابل فراموش دلچسپی کے لئے مشہور ہے۔ شہر کے ساتھ برف آب کا نالہ بہتا ہے۔ اور ساتھ ہی تین باؤلیاں ہیں۔ ملائک فریب صورتیں۔ کثیف لباس میں ملبوس۔ صبح شام پانی بھرتی۔ نہاتی۔ دھوتی نظر آتی ہیں۔ ایک دیہاتی زندگی کا بہترین نظارہ ہے۔ بہین سینری کے نظارے

اور انسانی دلاویزیوں سے بجدِ نظر متمتع ہوکر آگے چل دینا چاہیئے۔ منزل کھوٹی ہونے کا احتمال اور بوالہوسی تحصیل لاحاصل ہے۔ ورنہ حضرت ظریف کا شعر یاد رکھیئے۔

شعر
عمر بھر گھوما کیئے ناقہ کی دُم کے ساتھ ساتھ
یہ میاں مجنوں نہ سمجھے اس کا کچھ حاصل بھی ہے

صبح کا کچھ ناشتہ کر کے آگے چلنا چاہیئے۔ اگر آپ تین چار آدمی ہیں۔ اور ذاتی سامان کا بوجھ منزل کشی میں بار معلوم ہوتا ہو تو اودھم پور سے ایک آدھ مزدور لے سکتے ہیں۔ سرکاری نرخ مزدور کا ۱۰/ فی دن ہے۔ لیکن موسم گرما میں سیاحوں کی زیادتی کی وجہ سے ۱۲/ ۱۴/ فی روز بھی مانگ لیتے ہیں۔ مزدور اچھابل تک یا جہاں تک جی چاہے کر لیں۔ اچھابل پانچ چھ روز میں آپ پہنچ جائیں گے۔ صرف ۵-۶ روپیہ مزدوری دینی پڑیگی۔ اور آپ کو فی کس سوا یا ڈیڑھ روپیہ پڑ جائیگا مگر فائدہ اس میں یہ ہے کہ ایک تو بوجھ ہلکا ہو جائیگا۔ آپ کو تھکاوٹ محسوس نہ ہوگی۔ دوسرے مزدور آپکو راستے میں گائیڈ اور رہنما کا کام بھی دیگا۔

سمرول اگلا پڑاؤ ہے۔ فاصلہ اودھم پور سے ۱۱ میل۔ راستہ جرنیلی سڑک۔

اب چڑھائی شروع ہو جاتی ہے اور پہاڑی سین اور سرسبز مناظر اور دور فضائے آسمانی میں پہاڑوں کی سیاہی نظر آتی ہے۔ دو تین

گھنٹہ کا راستہ ہے۔

نوٹ :۔ جو لوگ دوپہر تک اودھم پور پہنچ جائیں۔ وہ کھانا کھا کر اور قلیوں کا انتظام کر کے سمرول میں شب باشی کر سکتے ہیں۔ یا ذرا ہمت کر کے دو میل آگے دھرم تھل (بلندی ۳۷۰۰) کے پُر فضا بنگلہ میں قیام کر سکتے ہیں۔ اس طرح ایک دن کی بچت ہو جاتی ہے۔

اس راستہ میں ایک خوشنما آبشار اور دو ایک سرد و شیریں پانی کی ہاضم باؤلیاں بھی آتی ہیں۔ خاص سمرول میں بھی ایک آبشار ہے سمرول سے یا دھرم تھل جہاں جی چاہے ٹھہر کر کچھ کھا پی کر آگے چل پڑنا چاہیئے۔

کڈھ۔ کا اگلا پڑاؤ بیچ میں پڑتا ہے۔ سمرول سے فاصلہ براہ پختہ سڑک ۱۷-۱۸ میل ہے مگر پیدل راستے سے کل ۷-۸ میل ہے سمرول سے ذرا چڑھائی شروع ہو جاتی ہے۔ سرسبز پہاڑیوں۔ گل پوش وادیوں۔ بہتے ہوئے چشموں میں سے پگڈنڈی گذرتی ہے۔ پیدل مسافر کو تکان تو ضرور ہوتی ہے۔ مگر ان نظاروں کے مقابلے میں یہ سب ہیچ ہے۔ تھکن محسوس نہیں ہوتی۔ بلکہ اور چلنے کو جی چاہتا ہے۔ چنینی تک بذریعہ جرنیلی سڑک جانا ہے۔ میل ۱۴۷ پر ایک عظیم غار پر ایک چوبی پُل ہے۔ وہاں سے تیز چڑھائی شروع ہوتی ہے۔ وہاں سے سڑک چھوڑ دینی چاہیئے۔ پہاڑ پر چڑھ کر سڑک آملتی ہے دو میل کی بچت ہو جاتی ہے۔ آدھ میل تک سڑک پر چلئے۔ جہاں ۱۴۴

میل لگا ہوا ہے۔ اس کے عین سامنے سڑک پھر چھوڑ کر کچا راستہ اختیار کرلو۔ سامنے سرد پانی کی باؤلی ہے۔ یہ کچا راستہ بڑی سڑک سے میل ۱۳۹ پر جا ملتا ہے۔ اس سے آگے میل بھر کے فاصلے پر کدڈھ کا مقام ہے۔

راستے میں چنینی کا علاقہ آجاتا ہے۔ چنینی کی بلندی پونے تین ہزار فیٹ ہے۔ آبادیاں سرسبز درختوں کی گھنی چھاؤں میں پوشیدہ ہیں۔ یہاں سے چڑھائی اور بھی سخت ہو جاتی ہے۔ راستے میں چند خطرناک برساتی نالے ملتے ہیں۔ جو برسات میں ذرا خطرناک صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ قدم قدم پر قدرت کی سحر کاریاں دامن دل کھینچ لیتی ہیں۔ آخر چڑھائی کی حد پر کدڈھ کا مقام آجاتا ہے۔ سمرول سے اگرچہ فاصلہ صرف سات۔ آٹھ میل کا ہے مگر بوجہ چڑھائی دو تین گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔

کدڈھ پر پہنچ کر نظارہ ایک جنت کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ کہیں چشمے۔ کہیں آبشار سرسبز پہاڑیوں کے دامنوں میں سر بفلک اشجار کے جھنڈ۔ خودرو۔ خوشبودار پھول ڈھیروں۔ عجیب بہار دیتے ہیں۔ کدڈھ کے پاس ایک نہایت نفیس پانی کا چشمہ ہے۔ نہایت ہاضم ہے۔ دُور دُور سے لوگ اس چشمے کی خاطر آتے ہیں۔

کچھ دیر یہاں قیام کر کے ستا کر کھا پی کر آگے چلدینا چاہیئے۔ تاکہ رات تک بٹوٹ پہنچ جائیں۔ دوکانوں سے خام اشیاء مل سکتی ہیں اہل ہنود کو برتن بھی مل سکتے ہیں۔ مسلمان صاحبان انڈا۔ مرغی۔

دُودھ اڑائیں۔ اور ہاضم چشمے کا پانی استعمال کریں۔ اس جگہ ریسٹ ہاؤس اور ڈاک بنگلہ بھی ہیں۔

ہٹوٹ۔ اگلا پڑاؤ۔ فاصلہ سڑک سے ۱۲ میل۔ پگڈنڈی سے ۶-۷ میل۔ بلندی قصبہ کی پانچ ہزار فیٹ۔

کڈھ سے نکلکر دو میل تک تو پختہ سڑک پر چلنا ہوتا ہے۔ اب سڑک کو تو ایک کھڈ کا لمبا چکر لگاتی ہے۔ پگڈنڈی پکڑ لینی چاہیئے۔ یہ پگڈنڈی پہاڑیوں پر سے ہوتی ہوئی چیل کے گھنے جنگلوں میں سے نکلکر ایک بلند پہاڑ کے دامن میں آ نکلتی ہے۔ اصلی سڑک تو بہت طویل چکر کاٹ کر سانپ کی طرح بل کھاکر اس پہاڑ پر جاتی ہے۔ لیکن ایک سیدھا راستہ اس چٹان پر چڑھنے کا ہے۔ بلندی ایک فرلانگ کے قریب ہوگی۔ ناواقف آدمی ایسی سیدھی چڑھائی چڑھنے کے خیال سے لرزتے ہیں۔ مگر کشمیری کھٹ کھٹ کرتے چڑھ جاتے ہیں۔ چٹان میں سیڑھیاں کھودی ہوئی ہیں۔ کچھ خطرہ نہیں۔ حوصلہ کرکے چڑھ چلنا چاہیئے۔ نیچے جھک کر نہیں دیکھنا چاہیئے۔ ایک وقت میں ایک ہی طرف سے آدمی آجا سکتا ہے۔

اس کٹھن چڑھائی کو عبور کرکے پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ جاتے ہیں۔ سڑک کے کئی گھنٹوں کا راستہ چند منٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔ اوپر پہنچ کر تمام کلفت دُور ہو جاتی ہے۔ ہوا ایسی لطیف اور ٹھنڈی کہ روح پرور۔ بادل کے ٹکڑے سیاح سے ہم آغوش ہونے لگتے ہیں۔

سامنے سبزہ زار پھولوں سے لدی ہوئی وادی کا نظارہ ایک فردوس کا باغ معلوم ہوتا ہے۔ جسقدر دلچسپ اور نزہت افروز نظارہ یہاں کا ہے دُنیا میں شاید ہی کوئی ویلی اس کا مقابلہ کر سکے۔ قلب انسانی پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

بلندی سات ہزار فیٹ سے اوپر ہونیکی وجہ سے ذرا ذرا سردی محسوس ہوتی ہے۔ یہاں ذرا سی دیر سستا کر آگے قصبہ بٹوٹ میں جا کر شب باشی کرنی چاہیئے۔ یہاں سے پھر اترائی شروع ہوتی ہے۔ بٹوٹ تک پگڈنڈی کے راستے جانا چاہیئے۔ براہ سڑک نہیں۔ نہایت پُر لطف راستہ ہے۔ مزید کیفیّت و انتظام رہائیش و خوراک کے لئے دیکھئے باب ششم۔

رام بن۔ یہ اگلا پڑاؤ ہے۔ پکّی سڑک سے ۱۷ میل۔ پیدل راستے سے ۱۲ میل۔ بلندی سطح سمندر سے ۳۵۲۵ فیٹ ہے۔ بٹوٹ کی آبادی سے نکلکر تھوڑے فاصلے پر سڑک کے کنارے چند باؤلیاں اور ایک مندر آ جاتا ہے۔ اس مندر سے دو سو قدم آگے بڑھکر ایک کچا راستہ دائیں ہاتھ کو کھلتا ہے۔ دُور سے کھیتوں کی وجہ نظر نہیں آتا۔ مگر جب آپ قریب پہنچیں گے تو نظر آ جائیگا۔ سڑک کو چھوڑ کر اس راستے سے آپ نیچے اترنا شروع کر دیں۔ دو تین میل کی مسافت بچ جاتی ہے۔ پھر ایک نالہ عبور کر کے پکی سڑک آ جاتی ہے۔ اس سڑک پر قریب ڈیڑھ فرلانگ چلکر جہاں سڑک پھر نیچے کی نشیب

ہیں اترنے لگتی ہے ۔ وہیں سے ایک راستہ پھر دائیں ہاتھ کو نکلتا ہے۔ اس راستے سے اُترنے میں پھر دو تین میل کی مسافت بچ جاتی ہے۔ آخر پھر سڑک آ ملتی ہے۔ بس اب پختہ سڑک پر چلئے۔ یہاں سے چوتھے میل پر بنگلہ بیرا آجاتا ہے۔

اس تمام نشیب و فراز کے راستے میں قدرت کی رنگینیاں آپ کے دل و دماغ کو بیخود بنا دینگی۔ آپ نیچر کا مطالعہ کر کے اسقدر محو ہو جائیں گے کہ دُنیا و مافیہا فراموش ہو جائینگے۔ دریائے چندر بھاگا (چناب) روپہلی سانپ کی طرح بل کھاتا۔ سرسبز اور پھولوں سے لدے دامن کوہ میں سے نکلتا ہے ۔ ایک عجیب موثر منظر پیش کرتا ہے۔ قدم قدم پر ہاضم و روگ ناشک چشمے ملتے ہیں۔ پانی ضرور پی لینا چاہیئے ۔ بنگلہ بیرا پر آپ ۸ - ۹ بجے صبح پہنچ جائیں گے ۔ وہاں آپ ناشتہ یا آرام اچھی طرح کریں۔ یہاں ڈاک بنگلہ ہے ۔ گھنے درختوں کی چھاؤں ہے ۔ حلوائی کی دوکان ہے۔ کچی رسد بھی مل سکتی ہے ۔ خوب پُر فضا مقام ہے ۔ یہاں آپ پانچ چھ گھنٹے خوب آرام کیجئے ۔ تین ساڑھے تین بجے کے عمل میں چل کھڑے ہو جیئے۔

اترائی شروع ہوتی ہے۔ پختہ سڑک ہی کا راستہ ہے ۔ فاصلہ ۷ - ۸ میل۔ بنگلہ بیرا سے نکلکر تین چار میل راستہ گرم اور خشک میدان میں سے گذرتا ہے ۔ سوختہ و مُردہ پہاڑ ۔ بے گیاہ زمین آتی ہے ۔ صرف دریا ہی رفیق ہوتا ہے ۔ مگر پھر پانچویں میل پر جب ذرا چڑھائی اور سرسبز پہاڑ

آتے ہیں تو بین سینری کی وہی حالت ہو جاتی ہے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے آپ رام بن پہنچ جائیں گے۔ صاحب توفیق ہو یا غریب شب باشی کے لئے رہائش کا انتظام فوراً کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ موٹر اور لاری والوں کا بھی شب باشی کا ہٹوٹ کی طرح ایک بڑا اڈہ ہے۔ مسافروں کی آمد پر جگہ کی ڈاک بنگلہ۔ ریسٹ ہاؤس۔ اور دوکانداروں کے چوبارے پر بھی قلت ہو جاتی ہے۔ جگہ کے انتظام سے مطمئن ہو کر آپ رام بن کی سیر کیجئے۔ یہ بہت پُر فضا مقام ہے۔ یہاں دریائے چناب پر ایک نہایت خوشنما جھولا پُل بنا ہوا ہے۔ اس پُل پر بیٹھ جائیے۔ بڑی خوشگوار پانی کی پھوار جسم کو ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔ دو ایک بے نظیر چشمے بھی ہیں۔ ارد گرد کی سرسبز و گل پوش پہاڑیوں سے جب عطر آمیز ہوا کے جھونکے دریا کے کنارے ٹہلتے ہوئے آتے ہیں تو روح تر و تازہ ہو جاتی ہے۔

چاندنی رات کی سیر ایک نافراموش کُن نظارہ ہے۔ اور جبکہ ہم مشرب و ہم جلیس احباب کی معیت ہو تو پھر کیا کہنا۔ چاندنی پہاڑوں۔ اور ان کی سوئی ہوئی پہاڑوں پر چھائی ہوئی۔ دریا کے پانی کو یکسر سیماب کا دریا بناتی ہوئی سیاح کے دل و دماغ پر ایک نافراموش کُن کیفیت طاری کر دیتی ہے۔

؎ موتیوں کی چاندنی چھٹکی ہوئی ہے دُور دُور
یاسمن کے برج میں شبنم کے ایوان و قصور (حضرت جوش ملیح آبادی)

رام بن میں ہر ایک چیز خوردنی مل سکتی ہے۔ خاصکر یہاں کا دودھ اپنی نفاست کے لئے مشہور اور سستا بھی ہے۔ رات کو مچھر خوب تانیں اُڑاتے

ہیں۔ اور پسّو اور کھٹمل ہم بغل۔

رام سو۔ رام بن سے فاصلہ ½۱۵ میل۔ بلندی قریب رام بن جتنی۔

رام بن سے صبح ناشتہ اچھی طرح کر کے روانہ ہونا چاہیئے۔ اور اگر اسوقت بھوک نہو زادِ راہ ساتھ لے لینا چاہیئے۔ راستے میں کچھ نہیں ملتا سوائے ٹھنڈے پانی کے۔ رام سو پہنچ کر البتہ سب کچھ مِل سکتا ہے۔

راستہ بذریعہ جرنیلی سڑک۔ نظّارہ نہایت خوشگوار۔ ڈھلے ہوئے سبزہ زاروں پر لاکھوں کروڑوں خودرو الوان لگار پھول جڑے ہوئے ہیں۔ چشمے فراواں۔ راستہ آسان۔ رام سو ایک ٹیلہ پر واقع ہے۔ سڑک چکر کھا کر جاتی ہے۔ پگڈنڈی کی راہ سے جانے سے آدھ میل کی مسافت بچ جاتی ہے۔ یہاں رات کو ڈاک بنگلہ۔ ریسٹ ہاؤس میں آرام کر سکتے ہیں۔ رام بن سے رامسو کے سفر کا حال باب ششم میں مشرح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ وہاں دیکھئے۔

بنیہال۔ رام سو فاصلہ ½۹ میل۔ بلندی سطح سمندر سے ۵۴۰۰ فیٹ۔

اگر رام بن سے علی الصباح ہی چلکر ۱۱-۱۲ بجے تک رامسو پہنچ جائیں تو دو تین گھنٹے آرام کر کے شام تک بنیہال پہنچا جا سکتا ہے۔ اور اگر سیر کرتے کرتے دیر ہو جائے تو رام سو ہی قیام شب کر لیجئے۔

رام سو سے نکلکر سینری ذرا بہتر۔ راستہ جرنیلی سڑک۔ سڑک کا پہلے

۱۸ میل تک نشیب و فراز تقریباً برابر رہتا ہے۔ ازاں بعد سڑک ایکدم چکر کھا کر چڑھتی ہے۔ اب تو مناظر کی دلبستگیوں کا کیا کہنا۔ بہت رُوح پرور سفر ہوتا ہے۔

بنیہال میں ڈاک بنگلہ۔ ریسٹ ہاؤس ہے۔ اچھا خالصہ قصبہ ہے۔ جملہ اشیاء ماکولات میسر آسکتی ہیں۔ یہاں بھی گاؤں کے قرب میں ایک سرد پانی کا نالہ بہتا ہے۔ یہی اہل قصبہ کے پانی کا ذریعہ ہے۔ چونکہ پانی بھرنے کا کام عموماً صنف نازک کے ہی ذمہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں بھی ماہ وشان پیر پنجال کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ بنیہال کوہ پیر پنجال کے دامن میں واقعہ ہے ؎

کشمیر تیرا حسن ہماری ہے آبرو ہے تیرے دم سے لذت صہبائے آرزو
فطرت ترے جمال سے حیران ہوگئی جنت بھی تیرے حسن پہ قربان ہوگئی
دہیر بلند و پست ہیں مخمور ہیں تمام تیرے طلسم حسن سے مسحور ہیں تمام

ویری ناگ۔ بنیہال سے فاصلہ براہ پختہ سڑک ۵۰ میل لیکن پگڈنڈیوں کی راہ سے ۱۲-۱۳ میل ہے۔

راستہ و منظر:۔ بنیہال سے شکم سیر ہو کر چلنا چاہیئے۔ پہلے چار میل تو سڑک جرنیلی۔ رستہ بالکل خشک۔ پھر جہاں ۸۰ میل کا نمبر سڑک پر لگا ہے وہاں پُل کے پاس سے ایک راستہ تکیہ کی طرف جاتا ہے۔ یہاں سڑک چھوڑ کر یہ راستہ اختیار کر لینا چاہیئے۔ یہاں سے پیر پنجال کی ہیبت ناک چڑھائی شروع ہوتی ہے۔ راستے میں تین مکان شاہجہان کے وقت نظر

آتے ہیں۔ گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں یہ پگڈنڈی پختہ سڑک پر ۱۷ میل کے نمبر پر جاملتی ہے۔ اس حساب سے آپ نے ایک گھنٹہ میں دس میل کا سفر طے کرلیا۔ یہاں پہنچکر ایک راستہ خچروں کا علیحدہ ہوجاتا ہے مگر لمبا ہے۔ اور ٹنل پر سے چکر کھا کر جاتا ہے۔ مگر پیدل راستہ آدھ میل سڑک پر چلکر سیدھا ٹنل کو جہاں سڑک گھومتی ہے چڑھتا ہے۔ عام راستہ ہے۔ چڑھائی قدرے پہلے سے دشوار ہے۔ پون گھنٹہ میں آپ ٹنل کے بنگلہ پر پہنچ جائیں گے۔ گویا چھ میل کی لمبی سڑک کی چڑھائی جو کم از کم دو گھنٹے میں طے ہوتی آپ نصف سے بھی کم عرصے میں طے کریں گے۔

یہ تمام راستہ نہایت خشک پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سبزہ پانی کا پروردہ ہے۔ اور پانی اسطرف عنقا ہے۔ پیر پنجال کے دوسری طرف تمام چشموں۔ ندی۔ نالوں کا رخ ہے۔ اسی وجہ سے یہ علاقہ خشک ہے۔ پانی ہمراہ رکھنا چاہئے۔ راستے میں پانی نہیں ملتا۔ البتہ ٹنل پر پہنچ کر ایک دوسری دنیا زیر نظر آتی ہے۔

مقام ٹنل سطح سمندر سے ۸۹۸۵ فیٹ بلند ہے۔ کافی سردی محسوس ہوتی ہے۔ یہ ٹنل کوئی ڈیڑھ دو سو گز کی سرنگ ہے جو پیر پنجال کو چیر کر اصل کشمیر ویلی پر جانکلتی ہے۔ یہاں ڈاک بنگلہ ہے۔ اور ایک بنئے کی عارضی دوکان بھی ہے۔ یہاں سستا کر سامنے کشمیر ویلی کا دلفریب نظارہ دیکھئے۔ باب ششم میں مفصل کیفیت درج ہے۔

یہاں اتنا لکھدینا کافی ہے کہ اگر اس طرف دوزخ تھی تو اسطرف

جنت - تمام وادی سبز سبز۔ پانی بافراط۔ ہوا مہکدار۔ پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے پودے اور درخت۔ سامنے فلک بوس برفانی پہاڑ۔ بادل پہاڑیوں میں کھیلتے ہوئے ایک عجیب رُوح پرور منظر ہے۔ تمام تھکن اس نظّارے سے کافور ہو جاتی ہے۔ سیاّح کا دل یہ بہار دیکھکر بچھا جاتا ہے۔ ے

یہ نور یہ سرور یہ دامانِ کوہسار
یہ جُوئے تیز گام یہ آہنگ آبشار
بھیگا ہوا سماں یہ کنار محیط کا
یہ دلفریب رنگ فضائے بسیط کا
یہ بلبلوں کے گیت یہ نغمے ہزار کے
یہ باصرہ فروز مناظر بہار کے
سیاّح جبھی ہیں خاک بسر تیری راہ میں
مدہوش ہے بہار تری جلوہ گاہ میں
(حضرت نظیرؔ لودھیانوی)

ٹنل سے تین راستے ویری ناگ کو جاتے ہیں۔ ایک پختہ سڑک موٹر والی۔ دوسرا خچر ٹٹو کا راستہ۔ تیسرا پیدل مسافروں کا۔ ان میں سے تیسرا راستہ بہت نزدیک کا ہے۔ مگر اترائی سخت اور جنگل جھاڑیوں اور پتھروں کی وجہ سے ذرا مشکل ہے۔ بارش میں خاص احتیاط مدِ نظر رکھنی چاہیئے۔ اس راہ سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں ویری ناگ کے چشمے پر پہنچ سکتے ہیں۔ اہل ہنود وہاں پنڈتوں کے ہاں قیام کر سکتے ہیں۔ اور مسلمان اصحاب پاس گاؤں میں قیام کر سکتے ہیں اور سامان خوردنی خرید سکتے ہیں۔ گاؤں میں حلوائی کی دوکان ہے۔ مگر جب تک اس کا دودھ نہیں بکتا دوکان کھلی رہتی ہے۔ ازاں بعد بند ہو جاتی

ہے۔ یہ پھل البتہ بکثرت مل سکتا ہے۔

اگر ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو چشمہ ویری ناگ کی طرف نہ مُڑیئے۔ سیدھے چلے جایئے۔ اترائی صاف اور آسان ہے۔ ٹنل سے اس ریسٹ ہاؤس تک موٹر اور لاری کی نسبت پیدل جلدی پہنچا جا سکتا ہے۔ اپر منڈا کا بنگلہ اوپر ہی رہ جاتا ہے۔ نیچے پچاسویں میل کے نمبر پر پہاڑ کے دامن میں لوئیر منڈا کا ریسٹ ہاؤس ہے یہاں قیام شب اچھی خاصی طرح ہو سکتا ہے۔ صبح ویری ناگ، کا مشہور چشمہ جو دریائے جہلم کا منبع ہے یہاں سے صرف ڈھائی میل ہے آپ جا کر باآسانی دیکھ سکتے ہیں۔ ویری ناگ کی بلندی سطح سمندر سے ۶۰۰۰ فیٹ ہے۔

ویری ناگ سے ایک سیدھا راستہ فاصلہ ۱۳-۱۴ میل براستہ تحصیل ڈورو (جہاں چھوٹے سیب بہت ہوتے ہیں) اچھابل کی طرف جاتا ہے۔ یہاں سے بھی پہاڑ عبور کرنا پڑتا ہے۔ مگر براستہ ککڑ ناگ جانا بہتر ہے۔

ویری ناگ سے اسلام آباد (اننت ناگ) براہ پختہ سڑک ۱۷ میل ہے۔ مگر پیدل سیاح کو ککڑ ناگ کو اور اچھابل کے ہاضم اور مشہور چشموں کی طرف سے جانا چاہیئے۔ تاکہ یہ دو بہترین قابل دید مقامات رہ نہ جائیں۔

ککڑ ناگ ویری ناگ سے براہ پگڈنڈی صرف چھ میل ہے

صرف ایک پہاڑ عبور کرنا پڑتا ہے۔ ویری ناگ سے ناشتہ کر کے چلنا چاہیئے۔ باسامان خوراک ہمراہ لے چلنا چاہیئے۔ راستے میں میل کے نمبر لگے ہوئے ہیں۔ اور پہاڑ پر ایک عمدہ پانی کا چشمہ ہے۔ ککڑ ناگ کے چشمے نہایت ہاضم اور اسقدر سرد پانی کے منبع ہیں کہ آپ شرطیہ ایک گلاس بھر کر ایک سانس میں نہیں پی سکتے۔ یہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر پھر اچھابل کی طرف چلدینا چاہیئے۔ ککڑ ناگ کے پاس ذیلداروں کا ایک گاؤں ہے۔ وہاں عمدہ خالص تازہ گھی عہ سیر مل جاتا ہے۔

اچھابل۔ ککڑ ناگ سے ۱۰ میل ہے۔ سیدھی سڑک ہے۔ اچھابل کے چشمے بھی نہایت مشہور ہیں۔ نیچر نثار جہانگیر کی یادگار بصورت باغات یہاں موجود ہیں۔ اب اس مقام پر پہنچ کر تانگہ لیکر اسلام آباد چلا جانا چاہیئے یا مٹن جو اسلام آباد سے ۴ میل کے فاصلے پر ہے۔ اسلام آباد میں مسلمان اصحاب کے لیئے رہائش اور کھانے کا انتظام عمدہ ہو سکتا ہے۔ اور اہل ہنود کے لیئے بھی ہو سکتا ہے۔ مگر مٹن ان کے لئے اچھا مقام ہے۔

نوٹ:۔ ایک راستہ اچھابل سے پیدل مٹن کو جاتا ہے۔ فاصلہ صرف ساڑھے پانچ میل۔ اس راہ سے جانے میں یہ فائدہ ہے۔ کہ مارتنڈ کے مشہور پرانے منادر بھی آپ دیکھ سکتے ہیں۔ مٹن میں پروہتوں کے ہاں مقام کر سکتے ہیں۔ کھانے پینے کا بہتر انتظام جیسا یہاں ہے وہ اور کہیں نہیں۔ یہاں سے آپ آگے۔ پہلگام۔ امرناتھ جی اور کھلائی گلیشیر

کی سیر کر سکتے ہیں۔ راستہ بھی ہے۔

اسلام آباد۔ اچھابل سے فاصلہ ۶ میل۔ (بلندی سطح سمندر ۵۳۰۰ فیٹ) کرایہ فی سواری اچھابل سے اسلام آباد ڈیڑھ دو آنہ۔ یہ ایک پرانا اور مشہور شہر اور تجارت کی بڑی منڈی ہے۔ اس کے متعلق مفصل حالات باب ششم میں ملاحظہ فرماویں۔ اس مقام سے مختلف اطراف کو سڑکیں جاتی ہیں۔ پہلگام۔ امرناتھ یاترا اور کہلائی گلیشیر کو بھی اس طرف سے سڑک جاتی ہے۔ اور سرینگر کو بھی۔ یہاں سے بذریعہ لاری جس کا کرایہ حسب موقع ۱۲؍ سے لیکر روپیہ سوا روپیہ تک ہوتا ہے۔ سرینگر جانا چاہیئے وہاں جا کر آپ اپنا اسباب کمپنی والوں سے جن کی معرفت جموں سے بُک کیا تھا چھڑا لیں۔

سیاح یہاں سے بذریعہ کشتی بھی جا سکتے ہیں۔ رات کو سوار ہو جاویں صبح امیراکدل میں دس۱۰ بجے پہنچ جاویں۔ فی سواری ۶؍ کرایہ ہوتا ہے۔ اب ٹریموے کے اجراء سے اسلام آباد سے سرینگر کے کرایہ میں اور بھی بچت کا امکان ہو جائیگا۔ پیدل جانے سے یہ فائدہ ہوا۔ کہ صحت اچھی رہی سیر بھی خوب کی۔ خرچ میں بھی کافی بچت ہو گئی۔ اور راستے کے تمام مشہور مقامات بھی اچھی طرح دیکھے گئے۔

تفصیل خرچ

کرایہ جموں سے اودھم پور بذریعہ لاری۔ ... ۱ روپیہ فی کس۔

کرایہ اسباب بُک کرائی بحساب ۳-۴ روپیہ فی من جموں سے سرینگر ۲ روپیہ اوسط لگا۔

اگر مزدور اودھم پور سے کیا جاوے
چھ روز کی مزدوری بحساب ۱۲/ ۱۴/ فی روز ۔ علے الحساب ۵ روپیہ اگر آپ چار آدمی ہوئے تو ...... } ۰ - ۴ - ۱ فی کس ۔

اسلام آباد سے بذریعہ سرینگر ۔ ۰ - ۰ - ۱ فی کس ۔

کل میزان = ۰ - ۴ - ۵

*۔ اگر آپ بذریعہ لاری سرینگر جائیں تو جب بھی آپ کو ۲۰ سیر سے زیادہ اسباب بُک کرانا پڑتا ۔ اب صرف اتنا ہے کہ اس بیس سیر کا بھی کرایہ دینا پڑیگا ۔

باب سیزدہم

کشمیر کی پیداوار اور صنعت و حرفت و شکار

کشمیر میں نہایت لطیف و شیریں میوہ جات بافراط پیدا ہوتے ہیں ۔ ان میں اکثر تو اسقدر لطیف اور نازک ہوتے ہیں کہ گرم علاقہ جات میں آ ہی نہیں سکتے ۔ اور دیگر میوہ جات بھی جو آپ یہاں نوش فرماتے ہیں ۔ ان میں وہ شیرینی اور ذائقہ ہرگز نہیں ہوتا جو کشمیر میں

ہوتا ہے۔ کیونکہ کئی کئی روز کے باسی اور نیم مردہ میوہ جات یہاں تک پہنچتے ہیں۔

پھل

سیب۔ کشمیر کے سیب کیا بلحاظ شیرینی و لطافت و کیا بلحاظ رنگ و روغن دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ اور کئی قسم کے ہوتے ہیں سیب فرانسیسی۔ عنبرین۔ خاتونی۔ بل پوری وغیرہ۔ علاقہ شوپیاں کا سیب اپنی تمام خصوصیات کے لحاظ سے بینظیر مانا گیا ہے۔ اور ہر سال لاکھوں روپیہ کا دساور کو جاتا ہے۔

ناشپاتی۔ یہ بھی کئی قسم کی ہوتی ہے۔ اِن میں سے بگوگوشہ اپنی حلاوت و لطافت کی وجہ سے نہایت بہتر خیال کی جاتی ہے۔ یارقندی ناکھ۔ سیبری۔ کوترنل۔ ٹک تنگ۔ گوشہ ٹرونٹ وغیرہ۔ ان کے علاوہ دیگر میوہ جات بھی نہایت عمدہ اور بکثرت ہوتے ہیں۔

کئی قسم کا انگور جنمیں گاندربل کے قرب و جوار کا بے دانہ انگور اور شیرازی باغ کا انگور نہایت مشہور ہیں۔ آلو بخارا۔ زرد آلو۔ آلوچہ۔ بادام اخروٹ۔ خربوزہ۔ تربوز۔ گلاس۔ توت وغیرہ۔

سبزی ترکاری

کشمیر میں ترکاری تمام اقسام کی اور اتنی افراط سے ہوتی ہے۔ کہ شاید دُنیا بھر میں کہیں ہوتی ہو۔ اور نہایت خوش ذائقہ اور لذیذ۔

اسکی قیمت اگر کچھ ہے تو سرینگر میں۔ ورنہ مضافات میں تو مفت برابر ملتی ہے۔

کدو۔ میتھی۔ پالک۔ مٹر۔ آلو۔ گوبھی ہر دو اقسام۔ مولی۔ گاجر۔ چقندر۔ شلغم۔ بینگن۔ ٹماٹر۔ لوبیا۔ ماش۔ مونگ۔ پیاز۔ لسن گچھیاں مرچ وغیرہ۔

بعض وہاں خاص ایسی ترکاریاں ہوتی ہیں۔ جن کے نام اردو میں نہیں۔ وہ صرف کشمیر میں ہی پائی جاتی ہیں۔

خشک پیداوار

گچھیاں۔ زیرہ سفید و سیاہ۔ زعفران۔ پوست۔ چوب قسیط جسے کُٹھ کہتے ہیں۔ ہینگ۔ گل بنفشہ اور یہ اشیاء ہزاروں لاکھوں روپے کی ہر سال دساور کو بھیجی جاتی ہیں۔

بعض اشیاء اور میوہ جات اور پھل پھول سے کشمیر اور کشمیری محروم ہیں۔ مثلاً

آم۔ گنا۔ ناریل۔ کیلہ۔ نارنگی۔ کھٹہ۔ میٹھا۔ بیر۔ چنا۔ گلاب۔

صنعت و حرفت

کشمیر اپنی قدرتی پیداوار کے علاوہ اپنے باشندوں کی صنعت و حرفت کے لئے ہزاروں برس سے مشہور ہے۔ اور آج تک بھی

دُنیا میں مشہور ہے۔ ہندوستان کے کونے کونے سے لیکر سات سمندر پار برطانیہ۔ فرانس اور امریکہ تک میں یہاں کے کاریگروں کا مال نہایت خوشی اور فخر سے خریدا جاتا ہے۔ یہاں کے لوگ اپنی خدا داد ذہانت اور محنت سے اُون۔ ریشم۔ سونا۔ چاندی اور لکڑی کے کام میں ایسی نفیس تراش و خراش اور حیرت انگیز باریکیاں پیدا کرتے ہیں۔ کہ اچھے اچھے خراج تحسین ادا کرتے ہیں۔ واقعی اہالیان کشمیر اپنی اس کاریگری کے لئے قابل مبارکباد ہیں۔

تفصیل اشیائے صنعت و حرفت

کاغذ کا کام جسے پیپر ماشی کہتے ہیں (Paper Machie) سونے چاندی پر کھدائی کا کام نہایت باریک اور پیچیدہ۔ اسی طرح لکڑی کا کام نہایت ہی عمدہ ہوتا ہے۔ میزیں۔ کرسیاں۔ صندوق۔ صندوقچے اخروٹ کی لکڑی کے اس کاریگری سے بناتے ہیں۔ کہ حیرت ہوتی ہے کہ یہ مفلس و نادار نان شبینہ کو محتاج۔ جاہل و ناکندہ تراش کاریگر کس طرح ایسی اشیاء بناتے ہیں۔ جو دُنیا بھر میں مانی جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جہالت۔ غلاظت ظاہری بوجہ غربت ہے۔ ورنہ باطن میں کشمیری نہایت عاقل و فرزانہ اور اعلےٰ درجے کا آرٹسٹ ہوتا ہے۔

کاش یہ دنیا بھر میں مانے ہوئے کاریگر نہایت جلد زیور علم سے

آراستہ ہو کر اپنی حالت بہتر بنالیں۔ تاکہ یہ ظاہری نقائص بھی باقی نہ رہیں۔ سرکار ریاست نے اپنی رعایا کے لئے جگہ بجگہ مدارس و کارخانے کھولے ہوئے ہیں۔ اور پڑھ لکھکر انہیں اپنے آبائی پیشے کو فروغ دینا چاہیئے۔ نوکری کی طرف مائل نہ ہونا چاہیئے۔

ان کے علاوہ ریشم بافی۔ اونی فردیں۔ پٹو پشمینہ کی صنعت تو ایسی نایاب ہے کہ فرانس۔ جرمنی اور برطانیہ باوجود اپنی علمی ترقی کے آج تک کشمیری مال کا جواب پیدا نہیں کرسکے۔ یہ ذہانت و ہنر خداداد ہے۔ جس پر تمام ہندوستان اور خاصکر کشمیر جتنا فخر کرے کم ہے۔

کشمیر میں شکار

کشمیر میں ہر ایک قسم کا آبی و خشکی کا شکار ہوتا ہے۔ مگر وہاں شکار بغیر خاص اجازت اور لائیسنس کے نہیں کھیلا جاسکتا۔ مختلف قسم کے شکار کھیلنے کی محدود اجازت بعد حصول فیس مل سکتی ہے۔ ریاست کشمیر میں بندوق وغیرہ بغیر اجازت نہیں لیجائی جاسکتی۔ اس کے متعلق جملہ خط و کتابت ڈائرکٹر آف وزیٹرز بیورو سرینگر "Director of Visitors' Bureau Sirinagar" سے کرنی چاہیئے۔

مشہور شکاری جانور۔ شیر ذرا کم کم۔ ریچھ کالا۔ بھورا اور سرخ

سفید چلیتا - تیندوا - جنگلی سُور - بارہ سنگا - ہرن - مارخور کستوری - بھیڑیا - لومڑی - خرگوش وغیرہ - دیگر - تیتر - بٹیر - چکور - مرغابیاں - مگھ - ہنس - کلنگ - کونجہ - مچھلیاں ہر قسم وغیرہ -

باب چہاردہم

کشمیری بول چال

قارئین کرام کی سہولیت اور واقفیت کے لئے جہاں اسقدر واقعات و حالات - کشمیر اور اہالیان کشمیر کے متعلق درج کتاب ہذا کئے گئے ہیں - وہاں اُن کی ضرورت اور تفنن طبع کی خاطر چند الفاظ ضروری اور جملے کشمیری زبان کے بھی شامل کئے جاتے ہیں - تاکہ دُور دیہات و قصبات کے سفر میں ناواقفیت زبان سے تکلیف نہو - اور بجائے اشاروں کے ان کی اپنی زبان میں تھوڑی بہت گفتگو کر کے مطلب براری کر سکیں -

قاعدہ - مروجہ کشمیری زبان سنسکرت - بھاشا - فارسی اور عربی کی ایک مخلوط زبان ہے - سوائے افعال کے جو اصل ہندی نژاد ہیں - باقی لُغت کم و بیش غیر زبانوں سے مملو ہے جیس

میں فارسی اور عربی کی آمیزش زیادہ ہے۔ فقرات کی ترکیب و بندش اور افعال کی ترتیب عموماً انگریزی طرز و طریقے پر ہے۔ اردو فارسی میں تو فعل عموماً فقرے کے آخر میں آتا ہے۔ مگر کشمیری زبان میں فعل بہ طرز انگریزی عموماً فاعل و مفعول کے درمیان میں آتا ہے۔

مندرجہ ذیل فقرات کی ترتیب پر غور فرماویں

اردو	فارسی	کشمیری	انگریزی
وہ بڑے دیانتدار ہیں	ایشاں خیلے دیانتدار ہستند	تِم چھِ بڈٕ دیانتدار	They are very honest.
میری دوکان امیراکدل میں ہے	دُکانم در امیراکدل ہست	میانوٕ وان چھُو امیراکدس منز	My shop is in Amirakadal.
میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں	من بر شما اعتماد دارم	بو چھُس ژہ پیٹھ اعتماد کراں	I trust you
مُرغی نے انڈے دیئے	مُرغ بیضہ داد	کُوکرِ تراو ٹھُول	The hen laid eggs.



روزمرّہ کی ضرورت کے الفاظ

دنوں کے نام

اردو	کشمیری
پیر۔ سوموار	ژندوار
منگل	بوں وار
بُدھ	بُدھوار
جمعرات	برسوار
جمعہ	جمعہ
سینچر	بٹہ وار
اِتوار	آتوار
سال	وریہ
مہینہ	رُیٹت
ہفتہ	ہفتس ماضی
آج	اَز
کل	کل
صبح	صباح
شام	سہ پہر
شفق	دولوس

اردو	کشمیری
دن	دوہہ
رات	رات
گھڑی	گھر

سامانِ تجارت

اردو	کشمیری
سوزن کاری	تِرمہ کامُ
پٹو	پٹ
پشمینہ	پشمینہ
چمڑہ	چمَرہ
پوستیں	پوستین
لکڑی کا کام	ہچہ کوم
انگشتانہ	نیھٹُو
شال مرچنٹ	پشمنہ والس
نمدہ	نمد
فرد کشمیری	فرد کشیرہ
انگوٹھی	وج

اردو	کشمیری
ٹوپی	ٹوپ
انگریزی ٹوپی	صاحب ٹوپ
صافہ۔ پگڑی	دستار
کرتا	پھرن
قمیص	قمیص
پاجامہ	ایزار
سلوار	ایزار
کوٹ	کوٹ
واسکٹ	صدری
پتلون	پتلون
نکر	نکر
دھوتی	دھوج
بنیان	بندبان
جوتی	پیزار
بوٹ	بوٹ
سلیپر	سلیپر
چپلی	چاپن
جراب	موز

اردو	کشمیری
دستانہ	ہاتھ پنج
روئی	سٹر
ریشم	ریشم۔ لوٹ
اون	ایٹر
چادر	چادر
خوان پوش	دسترخوان
کمبل	کمبلی
لوئی	چادر
لحاف	سولیف
رضائی	سولیف
توشک	گبہ

میوہ جات

اردو	کشمیری
اخروٹ	ڈون
سیب	ژونٹ
بہی	بم ژونٹ
آلو بخارا	آر
آڑو	ژن
انگور	دچھ

اردو	کشمیری
بادام	بادم
ہرے بادام	نیل
خوبانی	چیر
چلغوزہ	جل نوز
ناشپاتی	ٹنگ
خربوزہ	خربُز
تربوز	ہندوند
انار	ڈاچ
توت شہتوت	تُل شہتُل
آم	آم
نارنگی	نارنجی
کیلا	کیلا
کنول گٹے	نَدِر

ترکاریاں

اردو	کشمیری
پیاز	پران
لہسن	رُہن
ساگ	ہاکھ
گندل	گنڈہ پران
مولی	مُجہَ
گاجر	گازر
شلغم	گوگجہ
گوبھی	گوبھی
آلو	آلو
ٹماٹر	ویپہ روانگن۔ ریٹھ وانگن
بینگن	وانگن
لمبا گھیا۔ کدو	اَلہَ بیہ
مٹر	کرَ
سیم	ہِم

اناج

اردو	کشمیری
جوَ	وشکہ
چنا	چین
گندم	کنک
چاول	تُمل
مکئی	مکئی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اردو	کشمیری
باجرا	ترمل
چنے کی دال	چن دال
ماش کی دال	ماہ دال
مونگ کی دال	مونگ دال
مسور کی دال	مسور دال
ارھر کی دال	ارھر دال

مصالحہ جات

اردو	کشمیری
نمک	نون
لال مرچ	مرژہ وانگن
ہلدی	لدر
دھنیا	دانیوال
سونف	بادیانہ
کالی مرچ	مرژ
زیرہ	زیُر
اجوائن	جاوینہ
الائچی	آلبہ
لونگ	رنگ

اردو	کشمیری
دارچینی	دال چینی
زعفران	کُنگ
سونٹھ	شونٹھ
کھانڈ	مادریر

ماکولات

اردو	کشمیری
گوشت	ماز
مُرغی	کُوکرہ
انڈا	ٹھول
مچھلی	گاڈ
دوُدھ	دوُدھ
دہی	ضامت
سالن	سُن
روٹی	چُھٹ
اچار	اچار
چٹنی	چٹن
کھویا	کھوئے
مٹھائی	مٹھٔی

اردو	کشمیری
ڈبل روٹی	ڈبل چُھٹ

برتن

اردو	کشمیری
لوٹا	نارہ
پتیلی	دیگچی
چمچہ	چوپچی
دستپناہ ۔ چمٹا	ہانڈس
پُھکنی	نزکور
پیالہ ۔ کٹورہ	پیالہ ۔ ٹور
تشتری	رکاب
تھال ۔ طشت	ترام
توا	تاوٗ
تندور	تندور
گلاس	گلاس
بوتل	بوتل

گنتی

اردو	کشمیری
ایک	اک
دو	دو ۔ زہ
تین	ترِیہ
چار	چور
پانچ	پانژہ
چھ	شِہ
سات	ست
آٹھ	آٹھ
نو	نو
دس	دہ
گیارہ	کاہ
بارہ	باہ
تیرہ	تردہ
چودہ	چودہ
پندرہ	پندر
سولہ	شلہ
سترہ	سارہ
اٹھارہ	اردہ
اُنیّس	کِلوو

اردو	کشمیری	اردو	کشمیری	اردو	کشمیری
بیس	وُہ	پیشانی	ڈکہ	ہتھیلی	مانزہ
تیس	ترہ	کان	کن	پیٹ	ییڈ
چالیس	ژتجہ	آنکھ	اَچھ	پیٹھ	کھر
پچاس	پانژہ	نتھنے	نکہ دار	کمر	کمری
ساٹھ	شیٹھ	ناک	نس	ٹانگ	زنگ
ستّر	ستت	ہونٹھ	وُٹھ	ران	تنگ
اسی	شیت	مُنہ	آس	گھٹنا	لوٹ
نوے	نمد	دانت	دند	پنڈلی	گورز
سو	ژُہتھ	زبان	زو	ٹخنہ	ژنن
ہزار	ساس	گردن حلق	ہُٹ	پاؤں	کھُر
دس ہزار	دہ ساس	بازو	نرہ	ناخن	نم
لاکھ	لچھ	سینہ	سینہ	بھویں	بَومہ
کروڑ	کرور	پستان	بَبہ	پلکیں	اچھ وال
جسم کے حصّے		شانہ	شانہ	مونچھ	گونژھ
		ہاتھ	اتھہ	ڈاڑھی	دایہ۔ریش
جسم	پان	انگلی	اَنگج	کلائی	ہژ
سر	کلہ	پور	انگج گنڈ	**رشتہ داری**	
کھوپری	کلہ ہر۔کھاس	انگوٹھا	نتھ	ماں	موج

اردو	کشمیری	اردو	کشمیری	اردو	کشمیری
باپ	مُول	گیدڑ	شال	کنکھجورا	کھنہ پن
بھائیُ	بایُو	لومڑی	لوہ	مینڈک	نن منڈی
بہن	بنہِ	کُتّا	ہُونُ	چکور	گکو
بیوی	زنانہ-کھلائی	بلی	برارُ	تیتر	تیتری
لڑکا	لکِٹ	بارہ سنگا	ہانگلُ	بٹیر	باٹرِ
بیٹا	پخو	ہاتھی	ہست	مُرغ	ککرُو
بیٹی	کوُر	گھوڑا	گرُ	مرغابی	بطخ
بہو	نُش	گدھا	کھرَ	راج ہنس	راج
بیاہا بیاہی	نیتھر کرمت	گائیں	گاب	حواصل	گرکو
بیاہ شادی	نیتھر	بھینس	موش	کوا	کاو
خاوند	رُون	بکری	چھاوج	مینا	ہار
درندے - چرندے		بھیڑ	گب	کبوتر	کوتر
پرندے		مینڈھا	کاٹھ	فاختہ	کُوکل
شیر- چیتا	سہ	چوہا	گگرُ	بلبل	بلبل
ببر- شیر	ببر سہ	گوہ	گینگہ لٹ	ہُدہُد	ستہ تُت
بھیڑیا	رام حون	چیونٹی	رئی	ابابیل	کنج
ریچھ	ہاپُت	سانپ	سرف	چمگادڑ	رانہ کریل
تیندوا	وُدر	بچھّو	بچھ	چڑیا	چر

اردو	کشمیری	اردو	کشمیری	اردو	کشمیری
بیا	بوستون	لال ٹین	للاٹین	دریا	کوڑ
طوطا	طوطر	مٹی کا تیل	مچھی تیل	نالہ۔نہر	مار
گلہری	سہر	موم بتی	موم بات شمع	جھیل	[illegible]
دیگر متفرقات		جھاڑن	دھاج	جزیرہ	لانک
		تولیہ	تولیہ	چشمہ	ناگ
ٹین	ٹین	صابن	صابن	پُل	کدل
قلعی	قلعی	عطر	عطر	سیلاب	یوُپ
درزی	شٕر	خوشبو	مُشک	بارش	رود
حجام	نایہ	بدبُو	کھک	بادل	ابرو
لوہار	کھارس	خوبصورت	شکیل	بجلی	وزمل
سُنار	سُنر	بدصورت	بدشکیل	کڑک	گگرائی
ماشکی	سق	صاف ستھرا	صاف	برف	شین
مہتر	واتل	میلا۔گندا	مل دار	اولے	ڈوٹ
دھوبی	دوبِس	امیر	دنیادار	سردی	تور
آگ	نار	غریب	مسکین	گرمی	گرم
سونا	سون	جوان	جوان	دھوپ	تپ
چاندی	روپ	بچہ	چھور	چھاؤں	شول
چولہا	اکسور	مکتب	چاٹہل	درخت	کُل

اردو	کشمیری	اردو	کشمیری	اردو	کشمیری
کیوں دیر	کیا جی کرِج	ذرا ٹھیرو	بیا پرارزہ	بیٹھ جاؤ	بیٹھر بہ
لگائی	چیر	چُپ کرو	ژھُ چپہ کر	اچھا۔ پھر	جان۔ بیہ
خود جاؤ	پان گَسِ	تمہارا کیا	تہُندُ ناوُ	سہی	کونہ وقتہ
کوٹ لاؤ	کوُٹ ان	نام ہے	کیاہ چھو	اُوپر آؤ	ہُرُ کھسو
درزی کو بلاؤ	شیر اَنُن	تم کون ہو	ژہ کس چھوک	نیچے جاؤ	بن وس
کشتی چاہئے	ناؤ پکناؤ	تم کس لئے	ژہ کمہ	. . . . .	. . . . .
چلاؤ	جل	آتے ہو	خاطرہ آک	× × × ×	× × × ×

ہم مندرجہ بالا کشمیری لغت کے مکمل کرانے کے لئے میاں غلام قادر زرگر عرف گجری شیر گڑھی بازار۔ کے تہ دل سے مشکور ہیں ٭

نیز لالہ سنت رام جی آف سول ملٹری گزٹ و غلام قادر صاحب عرف گامی کی بیش قیمت ہدایات و مشورہ کے ممنون احسان ہیں۔

زیر عنایت [illegible] لاہور

تقریظ گوہر بار

جناب قبلہ آغا محمد سلطان میرزا صاحب دہلوی بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی سنیر سب جج لاہور

قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبتہ.......

ای بخلاد ملا خوئے تو ہنگامہ زا — با ہمہ در گفتگو بے ہمہ با ماجرا

اب سے دور خدا وہ دن نہ دکھائے لاہور میں ایک سال اتنی گرمی پڑی کہ شیخ سعدیؒ کے دل سے تو دمشق کے قحط نے عشق کا خیال ہی فراموش کرایا تھا۔ ہمارے دل سے اس گرمی نے زندگی کی چاہت نکال دی۔ بیٹھے بیٹھے دل نے کہا کہ لوگ کشمیر کی بڑی تعریف کرتے ہیں، آؤ دیکھیں ہمیں وہاں سے کیا ملتا ہے گئے۔ دیکھا کیا۔ دیکھا۔ خدا کی نشان دیکھی۔ وہ ہی ایک حسن جلوہ گر دیکھا۔ جسنے شیریں بنکر فرہاد سے پہاڑ کٹوائے تھے، لیلیٰ ہو کر قیس کو دشت بدشت کو بکوہ حیران و سرگردان پھرایا تھا، عذرا بن کر وامق کی جان لی تھی، اور من کے دامن سے جلوہ گر ہو کر نل کو بیہوش کیا تھا۔ یہ وہ ہی حسن تھا جسنے طور پر تجلے اڑائے تھے اور موسیٰ کو بیہوش کیا تھا، کیوں نہ ہو۔ یہ حسن کی طاقت ہے کہ باوجود غرور لن ترانی کے عاشق پیچھا نہیں چھوڑتا۔ کہنے والا کہتا ہے ؎

بزم ترا شمع و گل خستگئ بو تراب — ساز ترا زیر و بم واقعۂ کربلا

واقعہ کربلا کیا ہے، معشوق حقیقی کی بے نیازی عاشق صادق کی بیقراری کا نمونہ۔ شمشیروں کی تیزی۔ جلتے ہوئے ریگ دھوپ کی تپش پیاس کی شدت، ان سب تکلیفوں کو صرف امید وصل نے بھلا دیا۔ معشوق کہتا

ہے۔ کہ اگر عشق حقیقی ہے۔ تو اس معشوق کو طے کر کے اُو۔ پھر جائیں۔ عاشق کہتا ہے۔ لبیک۔ اب آیا۔ دیکھنے والی آنکھ چاہیئے۔ وہ ہی حسن جس نے موسیٰ کو بیخود کیا۔ اور حسینؓ کو از خود رفتہ اب بھی موجود ہے اور موجود رہیگا عاشق کا دل چاہتا ہے۔ کہ اس حسن کو صرف میں ہی دیکھوں اور کوئی نہ دیکھے اور معشوق ہے کہ عالم بدہن خود نمائی کا خواہاں۔ اب عاشق کیا کرے۔ مرزا نوشہ نے منصور کی گستاخی کو کیا اچھا نبھایا ہے،

مجرم مسیح زند انا الحق سرائی را
معشوقہ خود نما و نگہبان غیور بود

عاشق بیچارہ نے جلدی ہی سے انا الحق یعنی انا لمعشوق کہہ دیا۔ اسکا کیا قصور۔ معشوق ایسا خود نما ہے کہ اپنا حسن ہر ایک محفل میں۔ ہر ایک منزل میں۔ مسجد میں بتخانہ میں۔ کعبہ میں۔ کلیسا میں۔ ہر ایک ذرہ میں ہر ایک نقش میں ظاہر کرنے لگا۔ عاشق کی غیرت نے قبول نہ کیا۔ کہ اس طرح عوام کی نظریں اس پر پڑیں۔ جھٹ جلدی سے انا الحق انا المعشوق کہہ دیا۔ وہ نہیں۔ میں قابل نظارہ ہوں۔ کہ ادھر سے لوگوں کی توجہ ہٹ کر ادھر آجائے۔ کم ظرفوں میں یہ حسن عشق مجازی پیدا کرتا ہے اور اعلےٰ ہستیوں کو عشق حقیقی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس ہی حسن کا ایک شمہ تھا۔ جو ہم نے کشمیر میں دیکھا۔ جی چاہتا ہے۔ کہ وہاں کی کیفیت لکھوں دل میں جوش اٹھتا ہے، زبان بند ہو جاتی ہے، الفاظ نہیں ملتے۔ پھر غالب یاد آگئے ؎

چوں زبانہا لال و جانہا پر زغوغا کردۂ
بایدت پرسید از خود او بچہ یا ما کردۂ

مسافر کو کوہالہ کے نزدیک سے دریائے جہلم ملتا ہے۔ اور پھر برابر سرینگر تک ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے، یہ نظارہ بھی قابل دید ہے۔ دونو طرف سربلند

پہاڑ سبزے سے پوشیدہ کھڑے ہیں۔ دریائے جہلم لہریں مارتا ہوا بیچ میں سے پگھلی ہوئی چاندی یا پارے کی لکیر سی چلا جاتا ہے۔ یہ وہی دریائے جہلم ہے جو میدان میں پہنچکر قابو سے نکل جاتا ہے۔ اور اب بے بس دوسرے کے قابو میں چپکا چلا جاتا ہے۔ اگرچہ طبیعت کی شوخی بار بار جوش دکھاتی ہے اور لہریں مارتی ہے گویا معشوق طناز وطرار عاشق بے قرار کی گود میں بے بس ہے جسکی چلبلی شوخی کو کسی کے دست گستاخ ادھر سے اُدھر نہیں ہونے دیتے۔ بارمولا سے سیدھی سڑک جو سرینگر کو جاتی ہے۔ وہ دوسرا دلکش نظارہ ہے۔ جو مسافر کو مبہوت کرتا ہے۔ دو رویہ طویل قامت سیدھے درخت سیدھی سڑک پر کھڑے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ گویا صدہا ایاز ہیں۔ جو دست بستہ ایک محمود کے حکم کا انتظار کر رہے ہیں۔ انکے درمیان میں آسمان ایک نیلی لکیر معلوم ہوتا ہے شام کو جب ذرا بادل کا ترشح ہو کر تھما ہو نظارہ ہیں۔ ڈل کی سیر مستی پیدا کرنے میں بادۂ دو آتشہ کا حکم رکھتی ہے۔ بیچ میں کشتی کا ہرے ہرے درختوں میں سے نکل کر چلنا۔ کنارے بید مجنوں کا جھکنا۔ سبزہ زار کی لطافت شرماتے ہوئے چاند کا کھیت کرنا۔ اور چاندنی کا بادلوں میں سے گزر کر پانی پر بکھرنا۔ کشتی کا نیلوفر کے تختوں میں سے گزرنا۔ ہلکی ہلکی نسیم سرد کا چلنا۔ اور پھر اگر اس تنہائی میں کوئی تنہائی کا بٹانے والا بھی ہو۔ تو کسی کی چشم سرمگیں کی ترچھی نظروں کا شرمائے ہوئے تبسم و بے اختیار اداؤں کو ساتھ لے کر کسی کے دل پر چھاپا مارنا وہ سماں پیدا کرتا ہے۔ جس کے آگے جنت مع اپنی حوروں و نہروں و قصروں کے ایک کاخ ویران معلوم ہوتی ہے۔ ڈل کا نظارہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں ہر وقت و ہر گھڑی بدلتا رہتا ہے۔ اور ایک نیا جوبن دکھاتا ہے۔ کشمیر میں سبزہ و آب رواں کی کثرت و بہتات نے وہ وہ نظارے پیدا کئے ہیں۔ جن کا نظیر اس دنیا میں ملنا ناممکن ہے۔ ہاروں سے آب رواں کو شالامار باغ تک اس خوبی سے لایا گیا ہے۔ کہ جنت تجری من تحتہ الانہار کا مزا آتا ہے

نشاط باغ بادام و اخروٹ و چنار کے سبز درختوں سے بھرا ہوا ہے اُور بیچ میں ہزارہا فوارہ دن میں سے پانی کا نکلنا اور پھر سارے پانی کا مل کر نہر کی شکل میں بہنا قاآنی کے اس شعر کی تصدیق کرتا ہے۔

نسیم روضۂ ارم جہد بمغز دمبدم
زبس دمیدہ پیش ہم بطرف جوئبارہا

نشاط باغ میں کئی منازل ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ اُور ہر ایک منزل میں فوارے چلتے ہیں۔ اگر اندر داخل ہونے والا ایک نظر بھر کر اپنے سامنے دیکھے تو حسنِ لایزال کی ایک چمک آنکھ کے سامنے سے نکل جاتی ہے۔ ہر ایک منزل اپنا جوبن علیحدہ رکھتی ہے۔ پانی کا آبشار بن کر اوپر کی منزل سے نیچے کی منزل پر گرنا دل میں جوانی کی لہریں پیدا کرتا ہے۔ ہر ایک منزل خصوصًا اوپر کی دو منزلیں چنار کے ہرے ہرے درختوں سے گھری ہوئی ہیں۔ سامنے پہاڑ ہے۔ بیچ میں صدہا فوارے پانی کی محرابیں ہوا میں کھڑی کرتے ہیں۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی آخری کرنوں کا شرما شرما کر درختوں میں سے آنا۔ اُور اُنکی چوٹیوں کو سنہری برقعہ پہنانا۔ درختوں کی سبزی۔ آبِ رواں کی شوخی یہ وُہ شراب طہورا کی مادی تفسیریں ہیں جو مستی پیدا کرنے میں دُختِ رز کی دست نگر نہیں۔

کشمیر میں چشموں کی بہتات عظیم ہے۔ جہاں دیکھو زمین کے نیچے سے پانی اُبلتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسلام آباد کے چشمے خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں سب سے بڑا چشمہ ویری ناگ ہے جہاں سے دریائے جہلم نکلتا ہے۔ یہ ایک سرسبز پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ اس چشمہ کو جہانگیر نے ایک تالاب کی صورت میں بنا دیا ہے۔ جو نہایت ہی گہرا ہے۔ اس قدر کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ تہ میں سبز مخمل بچھی ہوئی ہے۔ اس تالاب یا چشمہ میں سے دریائے جہلم کو اول ایک چھوٹی سی نہر کی صورت میں نکالا ہے۔ جو چند گز جا کر نہایت تیزی سے آبشار کی شکل میں نیچے گرتا ہے۔ سوچنے والا سوچتا ہے۔ کہ یا خدا الٰہی

یہ پانی صدیوں سے گر رہا ہے۔ اور تیرے طرح کے ہیں کمی نہیں آئی۔ طائر خیال نے جو پر جوڑے معلوم نہیں کہاں سے کہاں جا نکلا۔ کیا وقت ہوگا جب جہانگیر معشوقان گلرویاں کے درمیان بیٹھ کر اس جگہ مزے لیتا ہوگا۔ پانی کی روانی۔ سبزے کی دلاویزی ہوا کی لطافت عشق کی آگ کو بھڑکاتی ہوگی۔ اور خبر نہیں دستِ گستاخ کی شوخیاں کیا کیا رنگ لاتی ہوں گی۔ جب ہم نے دیکھا تھا۔ تو چمن کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا۔ گل و بلبل میں جدائی ہو چکی تھی۔ محفل ختم ہو چکی تھی اور ایک پروانہ کی جلی ہوئی راکھ بتا رہی تھی۔ کہ یہاں شمع تھی۔ یہاں ساقی۔ یہاں بادۂ نوش تھے۔ اور یہاں صراحی۔

ثم انقضت تلک السنون واھلھا
فکانھا وکانھم احلام

کشمیر کے ہر ایک منظر کا اس مختصر تقریظ میں سما جانا ناممکن ہے۔ یہ تو دل کا ابال تھا۔ جو قلم کی زبان سے بے اختیار نکل پڑا۔ جس کو تفصیل مطلوب ہو۔ اس کتاب کی ورق گردانی کرے۔ فاضل مصنفین نے نہایت عمدہ پیرایہ میں جنت کو کاغذ کا لباس پہنایا ہے۔ ہمارے ہوتے ہوئے کشمیر میں ایک طوفان آب بھی آیا تھا۔ طوفانِ نوح کو ہم نے سنا تھا۔ اور طوفانِ کشمیر کو دیکھا۔ دریائے جہلم بلیوں اچھلتا تھا۔

امیرا کدل کے پل سے پانی ٹکرا کر جاتا تھا۔ جہاں آنکھ اٹھاؤ۔ پانی ہی پانی تھا۔ کئی دن تک تو عجب حالت امید و بیم رہی۔ ڈل گیٹ کا ٹوٹنا تھا۔ کہ نوحؑ کے تنور سے پانی کا ابلنا۔ ہر ایک گھر میں پانی بھر گیا۔ ہزارہا گھر برباد ہو گئے۔ بزرگ و نیک ہستیوں کو خدمت نوع انسانی کا اچھا موقعہ ہاتھ لگا تھا۔ مسٹر شادی لعل چیف جسٹس صاحب بہادر کا

محل ایک بلند اونچائی پر بنا ہوا ہے جہاں تک نہ پہنچ سکنے ہوئے وہ طوفان آب بھی خوف کے مارے لرزتا تھا۔ آپ کی ہمدرد طبیعت کو اپنے جوہر دکھانے کا اچھا موقعہ ہاتھ لگا۔ ہر کہ و مہ ہندو مسلمان چھوٹے بڑے کو عام اجازت تھی کہ وہاں آنکر پناہ گزیں ہو۔ اور کچھ دنوں تک تو وہاں اتنے خیمے لگ گئے کہ سوائے اس کے اور کوئی ماوائی و ملجائی مصیبت زدگان نظر نہیں آتا تھا۔ جو آپ نے وہاں خاموش خدمت بغیر صلہ و مزد کے کی وہ ریاست کے بڑے بڑے تنخواہ پانے والے بھی نہ کر سکے۔ آپ کے دم سے سینکڑوں جانیں بچ گئیں۔ اور ہزار ہا بے خانماں لوگوں کو جائے پناہ ہاتھ آئی۔

اس بیش قیمت رسالہ میں نہایت مفید ہدایات مسافریں کے لئے ضبط تحریریں لائی گئی ہیں۔ اور اس کو ایک دلچسپ کتاب بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ جب ہم کشمیر گئے۔ تو سب سے پہلے ایک عمدہ گائڈ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ جو بازار میں گائڈ ملے۔ وہ نہایت نکمے اور بے کار تھے۔ یہ موجودہ گائڈ اُن تمام نقائص سے پاک ہے۔ اور بہت سی کمی کو پورا کرتا ہے۔ ہم اپنی قلم فرسائی کو اس شعر پر ختم کرتے ہیں ؎

سادہ بعلم و عمل مہر تو ورزیدہ ایم
مستئی ما پائدار بادۂ ما ناشتا

غالبؔ

آغا محمد سلطان میرزا دھلوی



موٹر کار کے لئے
بیٹری
ولسٹنگ ہوس خریدیں

ولسٹنگ ہوس بیٹری امریکہ کی تیار کردہ ہے
ولسٹنگ ہوس بیٹری قیمت میں سستی اور پائیدار ہے۔
ولسٹنگ ہوس بیٹری سے موٹر کار جلدی سے سٹارٹ ہوتی ہے۔
ولسٹنگ ہوس بیٹری موٹر کار کے لیمپ میں بجلی خوب روشنی دیتی ہے۔
ولسٹنگ ہوس بیٹری سے موٹر کار کے ہورن کی آواز خوب گونجتی ہے۔

سول ایجنٹس سیجدلو ابردرز

سر شادی لعل بلڈنگ ہال روڈ دی مال لاہور

ہم کیا بیچتے ہیں؟

اردو انگریزی کے دلچسپ ناول

تمام مشہور اخبارات اور رسالے۔ سامان سٹیشنری۔ بڑی تصاویر
البم۔ ہر قسم کے فرنچ سینری۔ بیوٹی۔ کرسمس و سالگرہ۔ عید کارڈ وغیرہ
اصل عنبر و بلور کی تسبیح و ہار۔ خوشبویات۔ تیل۔ صابن وغیرہ

ایک بار آرڈر دیکر مشکور فرمائیں

المشتہر

مینیجر دی رائل بک سٹال جنرل پوسٹ آفس لاہور



CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri